اس کے علاوہ بھی متعدد شخصیات پر لکھا جا رہا ہے۔ ملکی و غیر ملکی اصحاب فکر و دانش کو دعوت دی جاتی ہے اگر وہ بھی اپنی کسی پسندیدہ علمی و فکری شخصیت کے "تفردات" پر کوئی تحقیق پیش کرنا چاہیں تو التفسیر کے صفحات ان کے لئے بھی حاضر ہیں۔

صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

(مدیر اعلیٰ)

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد: ۶، شمارہ: ۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ بحیثیت مفسر قرآن

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج
ڈین، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

ABSTRACT:

Pir Muhammad Karam Shah Al Azhari (d.1998) has written a Quranic tafsir, which comprises in five volumes. In this article I have presented a concise review. In the beginning this tafsir manifests some principles of tafsir. I have divided these principles in nine points so that it will be easy to comprehend. I review tafsir Zia-ul-Quran through four different aspects. One is its analytical aspect, in which it is mention that the author did not acknowledge those ahadith that were not in accordance by virtue of Diraya (intellect) and Quran. Moreover, he hesitated in accepting some verdicts of Imam Abu Hanifa and other prominent scholars. Another aspect is that the author valued all worthy scholars' arguments without sectarian differences. Incidentally I also mentioned that in the Tafsir Zia-ul-Quran he has benefited with references through the scholars like Maulana Mahmud Hasan (prisoner of Malta) Maulana Ashraf Ali Thanvi, Maulana Shabbir Ahmad Usmani, Maulana Anwar Shah Kashmiri, Maulana Abual Kalam Azad, Maulana Sayyed

Suleman Nadvi, Qazi Muhammad Suleman Mansur Puri, Mualana Abdul Majid Daryabadi and Maulana Abu-ul- Ala Maududi. In the third feature the author's inclinations and preferences are described, like the food of the people of Book, the faith of Abu Talib, the scope of reward of virtue to the dead, etc. And the forth aspect regards the author's comprehension of Quran, in this regard his understanding of Quran is highlighted through his explanations of various verses.

چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر ایک ایسی تفسیر منظر عام پر آئی، جو اختصار و جامعیت کا حسین شاہکار تھی، پانچ جلدوں میں طبع ہوئی، نہ اتنی مختصر کہ بات ادھوری ہو، نہ اتنی مفصل کہ پڑھنے سے دوری ہو۔ ہاں دونوں کے بین بین۔ گویا عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق۔ تحریر اتنی شستہ اور دلکش کہ قرآن فہمی کے ساتھ لوگوں کی اردو بھی اچھی ہو جائے۔ ادبی لطافت ایسی کہ گویا تفسیر ماجدی کی یاد تازہ ہو جائے۔ قدیم وجدید حوالہ جات سے مزین، عربی اردو تفاسیر کی منتخب عبارات سے مملو۔ کہیں کہیں معاصرانہ چشمک آرائی مگر اعتدال سے ہٹ کر کہیں بھی تنقیص کی راہ نہ اپنائی۔ فرقہ واریت سے دور، اعتدال پسندی سے بھرپور، کیا اپنے کیا بیگانے؟ سبھوں کا خیال، یہاں تک کہ اس کی تنقیدات بھی ادب واحترام سے مالا مال، اسی لیے اوروں کے ہاں بھی قابل قبول، جی ہاں! یہ ہے تفسیر ضیاء القرآن، جس کے مفسر ہیں، دنیائے اسلام کے عظیم اسکالر، علماء میں ممتاز، تقویٰ وطہارت کا پیکر، شرافت وحیاء کا مجسمہ، روحانیت کے پیشوا، پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے جج، متعدد دارالعلوموں کے سرپرست، ماہنامہ ضیائے حرم (لاہور) کے مدیر اعلیٰ مفسر قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ۔

------------۲------------

کوئی مفسر جب تفسیر کرنے بیٹھے تو لازم ہے کہ پہلے کچھ اصول مقرر کرے، جن کی پاسداری ہو اور لوگوں کو اپنی تفسیر کی ضرورت، اہمیت اور غرض وغایت بتائے۔ یونہی بیٹھے بٹھائے محض مفسر کہلانے کے شوق میں تفسیر ہرگز نہ کرے، ہمارے ہاں اکثر تفسیریں اسی شوق کی نمائندہ لگتی ہیں۔ آٹھ دس تفسیروں کی مدد سے نئی نئی تفسیریں لکھی جاتی ہیں، اور جو ان سے قدرے بہتر ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے مفسرین کے پیش نظر یا تو فقہی مسائل ہوتے ہیں، جن کی بھول بھلیوں میں وہ کھوئے رہتے ہیں۔ کبھی مسلک شوافع کی تفصیل تو کبھی مسلک احناف کی۔ وقس علیٰ ذلک۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھے ہیں نہ کہ کسی فقہی مکتب کی تفصیل۔ وہ اقوال آئمہ وفقہاء کی قیل وقال میں اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ تفسیر کا قاری ورطۂ حیرت میں

پڑ جاتا ہے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ گنتا یہ ہے، وہ اپنے قارئین کو، کسی مخصوص عہد میں اختیار کیے گئے ذہن کا پابند بنانا چاہتے ہیں گویا وہ قرآن مجید کو مخصوص لوگوں کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اسی تقلیدی زاویے سے اوروں کو بھی دکھاتے ہیں۔ اور اسی کو عین حق وصواب اور پناسرمایہ علم وہدایت جانتے ہیں۔ خود کوئی تدبر نہیں کرتے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن کی تفسیر میں غیر متعلق مباحث چھیڑ دیتے ہیں، اور اسے پست اور سطحی معاصرانہ چشمک آرائیوں کی آماجگاہ بنادیتے ہیں۔ اپنے نجی کوائف اور حالات وواقعات، جن کا قرآن فہمی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر گاہ بگاہ تفسیر میں ٹانٹ ٹانکنے کا کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں اور طرہ یہ کہ ان سب کو قرآن کی تفسیر گردانتے ہیں۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو دوسرے مفسرین کو نارگٹ بنا کر تفسیر کرتے ہیں، اور قرآن فہمی کے عنصر کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ بعض عربی تفسیروں اور دیگر کتابوں سے صفحوں کے صفحے ترجموں کی صورت میں نقل کرتے رہتے ہیں اور ستم یہ کہ جہاں کوئی ایک حوالہ بھی کافی ہوتا ہے وہاں تعدد حوالہ جات سے (مع عبارات کے) ضخامت تفسیر کو بڑھا کر سنجیدہ قارئین کے دماغوں کو بوجھل کر دیتے ہیں۔ اور مزید ستم یہ کہ تعدد عبارات کے سبب نفس مضمون میں جو تناقض پیدا ہو جاتا ہے وہ اس پر کوئی محاکمہ نہیں کرتے۔ مگر میں بلاخوف تردید یہ بات کہتا ہوں کہ آج جس مفسر قرآن پر میں یہ مضمون لکھنے بیٹھا ہوں اس کی تفسیر مذکورہ بالا عیوب اور نقائص سے بالکل پاک ہے۔

------------۳------------

ضیاء القرآن کا متعدد پہلوؤں سے جائزہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر کچھ لکھنا میرے لیے کسی خوشگوار فریضے سے کم نہیں، پیر صاحبؒ نے ضیاء القرآن کے مقدمے میں لکھا ہے۔

''جس میدان میں ابن جریر، ابن کثیر جیسے محدث اور مورخ، زمخشری اور ابن حیان اندلسی جیسے ادیب اور نکتہ سنج، رازی اور بیضاوی جیسے متکلم اور فلسفی، ابوبکر جصاص اور ابو عبد اللہ القرطبی جیسے فقیہ اور متقین (علیہ الرحمۃ) قرآن کی عظمت وجلال کے سامنے دم بخود اور سر بگریباں کھڑے ہوں۔ میرے جیسے ہیچمدان، تہی دامن کا ادھر رخ کرنا یقیناً محل تعجب وحیرت ہے۔ خدا شاہد ہے کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا میں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہوں یا اپنے فہم وادراک کے ناخن سے کسی پیچیدہ گرہ کو کھول سکتا ہوں یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستے سے ساری رکاوٹیں دور کر سکتی ہیں ان تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے یہ کچھ ہو گیا۔ اس کی توجیہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ میں یہ کہوں کہ اللہ رب العزت نے چاہا اور یہ ہو گیا۔''(۱)

ذرا آگے چل کر ان پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ جنہیں ان کے تفسیری مقاصد، اسباب یا اصول تفسیر کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔ پیر صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے ہم اسی میں سے کچھ چیزوں کو نمایاں کرکے اقتباسات کی ترتیب کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کے یہ اصول بہت قیمتی ہیں، جنہیں بار بار پڑھنے اور مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ اس ناچیز کے نزدیک قرآن کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ کتاب ہدایت ہے۔ اس کے نازل فرمانے والے نے

بارہا اس کا تعارف اس قسم کے کلمات سے کرایا ہے:

هذا بيان للناس وهدى وموعظة للمتقين. (۳:۱۳۸)

آج ہمیں قرآن مجید کے اسی پہلو پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔ لیکن شومئ تقدیر ملاحظہ ہو، آج قرآن کا یہی پہلو متروک اور مہجور ہے۔

۲۔ قرآن حکیم کا مقصد اولین انسان کی اصلاح ہے۔ تربیت پیہم سے اس کے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بناتا ہے۔ ہواؤں کے غبار سے آئینۂ دل کو صاف کر کے اسے انوار ربانی کی جلوہ گاہ بناتا ہے۔ انانیت وغرور، تمرد وسرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالک حقیقی کی اطاعت وانقیاد کا خوگر کرتا ہے یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن وخوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

۳۔ اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعث عزت وشرف بنا سکتا ہے۔ اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزم علم ودانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے۔ اگر حرم کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفت الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے صنم کدۂ تصورات کے لات وہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ظلمت خانۂ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کر سکتیں۔ یقیناً ہو سکتا ہے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوں اور ہمارا کاروان حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے، جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اے درماندۂ راہ قوم! قرآن تمہیں عظمت وعزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کرو۔ اے اپنی قسمت برگشتہ پر آہ وفغاں کرنے والے! تو جہان و دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے۔ تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو۔ قرآن تمہیں واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو۔

۴۔ ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرتناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انہیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خدانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے کیوں غافل ہیں؟ کیا مکافات عمل کا قانون، قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ ولن تجد لسنة الله تبديلا. میں نے ہر ایسے موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں تاکہ وہ اپنی جنس عمل کو اسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہوئے ترازو میں تولے اور اس کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اشتباہ نہ رہے اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔

۵۔ قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطۂ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہیئے؟ اگر وہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اگر وہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی

نوعیت کیا ہے؟ اگر وہ دولت مند ہے تو اس کا طرز عمل کیسا ہو اور اگر وہ فقیر ومحتاج ہو تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعت کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود ہے۔ اسی لیئے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظام اخلاق وغیرہ تمام امور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ مباحث آئے ہیں، میں نے کوشش کی ہے کہ ان کو اس واضح اسلوب میں پیش کیا جائے جسے عصر حاضر کا انسان سمجھ بھی سکے اور قبول بھی کر سکے۔

۶۔ یہ ایک بڑی دلخراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مرور زمانہ سے اس امت میں بھی افتراق وانتشار کا دروازہ کھل گیا جسے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ امت بھی بعض خودغرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرائے میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقل سلیم کو اس میں غور وفکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے، اور ہمیں یہ فرض بڑی دلسوزی سے ادا کرنا چاہیئے۔۔۔۔۔

میں نے پوری خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کروں جو قرآن کریم کی آیات بینات، احادیث صحیحہ یا امت کے علمائے حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے تاکہ نادان دوستوں کی لغو آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے۔

۷۔ جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی الجھن معلوم ہوئی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی، میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال سے اس کا حل پیش کروں۔

۸۔ ہر سورۃ سے پہلے میں نے اس کا تعارف لکھا ہے۔ جس میں سورۃ کا زمانۂ نزول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض ومطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ۔ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کیا ہے۔

۹۔ قرآن کریم کے اردو تراجم جو میری نظر سے گزرے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے لیکن ان میں وہ زور بیان مفقود ہے، جو قرآن کریم کا طرۂ امتیاز بلکہ اس کی روح رواں ہے۔ دوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ ان میں وقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ میں جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں، اس کا تعلق کس کلمہ یا جملے سے ہے۔

میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کروں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے، زور بیان میں بھی (حتی الامکان) فرق نہ آنے پائے اور ہر کلمے کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے۔ (۲)

-----------۳-----------

اب ہم ذیل میں ضیاء القرآن کی بعض خصوصیات پیش کرنا چاہتے ہیں:

(۱) تنقیدات:

پیر صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر مخالف قرآنی کے سبب بعض احادیث پر، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ پر، اور بعض نامور علماء و مشاہیر پر تنقیدات پیش کی ہیں جن میں سے بعض ہم ذیل میں بالترتیب نقل کرتے ہیں:

(ا) اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ (المائدہ/۵۵)

تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں پیر صاحب نے بایں الفاظ تنقید کی ہے۔

''بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی۔ ہوا یوں کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ اس وقت حالتِ رکوع میں تھے، آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی۔ بعض صاحبان نے اس آیت سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلا فصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ لفظ ولی سے مراد یہاں متصرف فی الامور یعنی امام اور خلیفہ ہے اور انما حصر کا کلمہ ہے تو آیت کا مطلب ہوا کہ تمہارے امور میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسول پاک ﷺ اور وہ مومن ہیں، جنہوں نے رکوع کی حالت میں خیرات دی ہو اور یہ کام کیونکہ صرف حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ اس حصر کے پیش نظر صرف آپ ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے توجہ کے لائق نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ولی کا معنی یہاں متصرف فی الامور (خلیفہ اور امام) نہیں بلکہ ناصر اور مددگار ہے۔ کیونکہ بعینہٖ یہی لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ) اور یہ واضح ہے کہ کوئی بھی انہیں خلیفہ نہیں بناتا تھا بلکہ بعض منافق انہیں اپنا ناصر اور مددگار سمجھتے تھے۔ اس آیت کے بعد والی آیت میں بھی ولی بمعنی ناصر ہے تو جس چیز کی نفی ہو رہی ہے اسی کا ہی اثبات ہو رہا ہے یعنی یہودی وغیرہ تمہارے دوست نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور مومن تمہارے دوست ہیں۔ دوسری عرض یہ ہے کہ امامت عامہ اور خلافت کبریٰ اگر صرف ان لوگوں میں ہی محصور ہو، جن میں وھم راکعون کی صفت پائی جاتی ہو تو پھر حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ بلکہ جملہ گیارہ ائمہ اہل بیت کی امامت کا ان صاحبان کو بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کسی نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اور امام صرف وہی ہو سکتا ہے جو حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دے۔ اس لئے ان کے اپنے قائم کردہ قاعدہ کے مطابق ان

حضرات میں سے کوئی بھی امام نہیں ہوگا اور شاید اس بات کے لیے تو وہ بھی تیار نہ ہوں۔ تیسری کھلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت حضرت سیدنا علیؓ کی امامت بلا فصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرت ﷺ اسے ضرور پیش فرماتے اور ان وجوہات کے پیش نظر ان صاحبان کا استدلال قابل التفات نہیں۔

نیز یہ روایت بھی توجہ طلب ہے۔ نماز میں سائل کے سوال کی طرف توجہ کرنا، پھر ایک ہاتھ کی انگلی میں جو انگوٹھی ہے اس کو دوسرے ہاتھ سے اتارنا، پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عمل کثیر اور توجہ الی الغیر حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان سے بہت بعید ہے۔ جن کی حالتِ استغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نماز ادا کرتے ہوئے دنیا و مافیہا بلکہ اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ ایک بار جناب کے جسم کو چیر کر تیر نکالا گیا لیکن نہ آپ کو درد ہوا اور نہ تیر نکالنے کا علم ہوا۔ ایسی محویت سے نماز ادا کرنے والا حالت، نماز میں کسی غیر کی طرف متوجہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہ انگوٹھی سونے کی تو ہرگز نہ تھی۔ کیونکہ سونا مردوں پر حرام ہے یقیناً چاندی کی ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ اس کا وزن ایک تولہ ہوگا۔ جس کی قیمت اس وقت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ اگر ایک روپیہ صدقہ کرنے سے خلافت کا حق ثابت ہو جاتا ہے تو جنہوں نے ہزاروں اشرفیاں ایک بار نہیں کئی کئی بار بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیں اور جب بھی اسلام کے لیے ضرورت پڑی، سونے اور چاندی کے سکوں سے بھری ہوئی جھولیاں قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیں، ان کی خلافت کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔'' (۳)

پیر صاحب کے استاذ گرامی مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ نے بھی اس روایت کا باطل ہونا اپنی مختصر تفسیر خزائن العرفان میں ظاہر کیا ہے۔ اور عصر حاضر کے مفسر علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی اپنی تفسیر تبیان القرآن میں آٹھ وجوہ سے اس روایت کی تردید و تغلیط کی ہے۔ فلیراجع۔

(ii) وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا. (الدھر/۸)

اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے، پیر صاحب قبلہؒ نے ایک مشہور روایت کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''بعض مفسرین نے ایک واقعہ کو ان آیات کی شان نزول بتایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ایک دفعہ حضرات حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ عیادت کے لیے گئے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی اے علی! آپ نذر کیوں نہیں مانتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کو صحت دی تو آپ نذر کو پورا کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اس طرح حضرت سیدۃ النساءؓ اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین کو شفا بخشی۔ اب نذر کے ایفاء کا وقت آ گیا۔ کاشانۂ حیدری میں روزہ کے افطار کے

لیے بھی کوئی چیز نہ تھی چنانچہ آپ شمعون یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تین صاع جو بطور قرض یا بعوض اجرت لے آئے۔ صبح کو سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہؓ نے ایک صاع کو پیسا اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت علی واپس تشریف لائے تو سب اہل خانہ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور کہا میں مسکین ہوں، بھوکا ہوں۔ آپ نے سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود سادہ پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے روز افطار کے بعد کھانا کھانے بیٹھے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ آواز آئی یتیم ہوں، بھوکا ہوں۔ پھر پانچوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں۔ تیسرے روز پھر روزہ رکھا گیا۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے آواز دی، اسیر ہوں بھوکا ہوں، چنانچہ سارا کھانا اس کو دے دیا گیا۔ تین دن اور تین رات کے مسلسل فاقے سے بچوں کی کمزوری کی یہ حالت ہوگئی کہ چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ انہیں لیکر بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سب کو لیکر حضرت سیدہؓ کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ فرط نقاہت سے حضرت سیدہ بھی ایک کونہ میں گمی پڑی ہیں۔ حضور سخت پریشان ہوئے۔ اس وقت جبرئیل سورہ الدہر کی یہ آیات لیکر نازل ہوئے۔

لیکن اہل تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایتؔ دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے اس پر جرح وتنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فقیر آیا تھا تو اسے ایک روٹی دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں، پانچوں حضرات کھالیتے۔ اس طرح دوسرے دن، تیسرے دن، ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی۔ نیز معصوم بچے ویسے ہی مکلف نہیں اور جبکہ ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں، ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت سیدنا علیؓ اس کو کیسے روا رکھ سکتے تھے۔ تیسرا یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے، ان کے کھانے ان کے پینے اور آرام کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ عہد جاہلیت کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اس لئے قرطبی لکھتے ہیں۔ فھذا حدیث مزوق مزیف، یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قال الحکیم الترمذی هذا حدیث مفصل لا یروج الا علی احمق و جاهل. و اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات. حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کرسکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہل بیت کو جن کمالات، خصال حمیدہ اور اعمال رشیدہ سے مشرف فرمایا ہے پھر انہیں جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے۔ انہیں اس قسم کی خلاف عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔"(۴)

پیر صاحب قبلہؒ نے اس مقام پر جن بعض مفسرین کا رد کیا ہے۔ ان میں خود ان کے استاذ گرامی مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادیؒ بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے اس روایت کو بطور واقعہ کے بیان کیا ہے۔ (دیکھئے خزائن العرفان کا متعلقہ حاشیہ)۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے حضرت علیؓ سے منسوب اس واقعہ کا وضعی ہونا بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(iii) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

(الاحزاب/ ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو، اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کردے۔

اس آیت کے ذیل میں پیر صاحب نے پانچ صفحات پر مشتمل مدلل و جامع کلام رقم فرمایا ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس تفصیل سے یہ چیز واضح کرنا مقصود ہے کہ اس قسم کی احادیث جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ آیت صرف حضرات خمسہ کے بارے میں نازل ہوئی یا ازواج مطہرات اس میں داخل نہیں۔ وہ تمام روایات حجت نہیں تاکہ ان ضعیف احادیث کے پیش نظر قرآن کریم کی اس نص کا انکار کرایا جائے اور سیاق وسباق سے جو معنی سمجھا جاتا ہے، اس کی نفی کردی جائے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو وہ قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہوسکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ جب وہ ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔"(۵)

اس آیت کی تفسیر مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ہاں بہت عمدگی سے بیان ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپ کی ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔ یہ آیت اس باب میں نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔ یہاں اہل بیت سے ازواج نبی (رضی اللہ عنھن) کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسروں کی شمولیت اس میں ہوسکتی ہے تو اصلاً نہیں بلکہ تبعاً وضمناً ہوسکتی ہے۔ اس وجہ سے ان غالی فرقوں کی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی، جو اصل کے تو منکر ہیں لیکن فروع پر بڑا طوفان کھڑا کرتے ہیں۔"(۶)

اسی مفہوم کے مباحث مولانا مرادآبادیؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور علامہ غلام رسول سعیدی نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں رقم فرمائے ہیں۔

آپ نے مذکورہ بالا تینوں مثالوں میں ملاحظہ کیا کہ قبلہ پیر صاحب نے خود قرآن کریم کی رو سے مشہور روایات و احادیث کا جس عمدگی اور جرأت ایمانی سے غلط ہونا ظاہر کیا ہے۔ یہ انہی کا حصہ ہے، ورنہ بعض مفسرین اور علماء کا تو یہ عالم ہے کہ بعض اپنی مخالفت کے ڈر سے کتمان حق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور اگر کہیں از روئے تحقیق، حق بیانی ہوگئی ہو تو مسلک پرستوں کے پریشر میں آکر حق سے رجوع کرنے میں ذرا دیر نہیں لگاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب لوگوں کی خوشنودی پیش نظر ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب رب کی رضا مقصود ہو تو کیفیت دوسری ہوتی ہے، گویا:

دو عالم سے کرتی ہے، بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی

دل میں دو خوف کبھی اکٹھے نہیں رہتے، یا رب کا خوف ہوگا یا بندوں کا۔

----------۵----------

نقد بر امام ابوحنیفہؒ:

پیر صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں قرآن کریم کی بالادستی کا مظاہرہ، جس طرح روایات و احادیث کے باب میں کیا ہے اسی طرح مسلکِ حنفیہ کے امام، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ساتھ بھی اسی رویہ کا بہت احتیاط سے مظاہرہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ ٥

(المائدہ/۱۰۶)

جب آجائے کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے۔

اس مقام پر پیر صاحب نے لکھا ہے کہ:

"اس سے بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت غیر مسلم کی شہادت مسلمان کے لیے جائز رکھی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک ذمی کے لیے شہادت دے سکتا ہے، لیکن مسلمان کے لیے نہیں دے سکتا۔ آیت سے یہ مفہوم واضح طور پر مستفاد نہیں ہوتا۔" (۷)

امام صاحب پر یہ محتاط تنقید قرآن کے تعلق سے وہی کرسکتا ہے، جس کے اندر جرأت ایمانی ہو اور وہ تقلید جامد کا اسیر نہ ہو۔

----------۶----------

سرسید احمد خانؒ پر تنقید:

پیر صاحب نے اپنے نقطۂ نظر کے تحت معجزہ کے عنوان سے عمدہ ابحاث اٹھائے ہیں اور اس ضمن میں سرسید احمد خانؒ کے نقطۂ نظر کا رد کیا ہے مگر اپنی اعلیٰ ظرفی کے مطابق اپنے قلم کو ان کی ہجو میں ژولیدہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کے مقام اور رتبے کے پیش نظر انہیں مقام احترام پر فائز کر کے ہی تنقید کی ہے۔ پیر صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسید احمد خان نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہوسکتا جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو، کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہوگا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا رد و بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔

اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرمالیا۔ انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی وہ قوانین قدرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہوسکتا ہے جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کرلے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔" (۸)

----------۷----------

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ پر تنقید:

ولا تعجل بالقران من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ (طٰہٰ/۱۱۴)

اور عجلت نہ کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر صاحب قبلہؒ نے مولانا مودودیؒ کا نام لیے بغیر لکھا ہے کہ:

"میں نے جب عصر حاضر کے ایک مشہور مصنف کی تفسیر میں یہ پڑھا تو انتہائی دکھ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے اور زبان سے دہرانے کی کوشش فرما رہے ہوں گے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی۔ سلسلۂ اخذ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہوگا۔ پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہوگی اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کو پیغام وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے۔"

ایک سطر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ابتدائی زمانے میں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اخذ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی، آپ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے۔" (تفہیم القران صفحہ ۱۲۹، جلد سوم)

میرے جیسا مبتدی بہرحال اس عبارت کا مدعا نہیں سمجھ سکا۔ اصول وحی کے لیے حضور ﷺ کی یہ حرص اور مشقت حضور ﷺ کا کمال اور احساس ذمہ داری کا ثبوت تھا یا وجہ نقص تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کا محض احسان اور لطف تھا یا کسی غلطی کی اصلاح اور کوتاہی کی تلافی تھی؟ کیا نبوت اور اس کے لوازمات وہبی ہیں یا کسبی اور عادت سے حاصل ہوتے ہیں؟ یہ چیزیں غور طلب ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کرہ می آید جنید و بایزید ایں جا

تنقید کے لیے پیر صاحب کے الفاظ کو دیکھئے۔ فرماتے ہیں: "میرے جیسا مبتدی بہرحال اس عبارت کا مدعا نہیں سمجھ سکا۔" (۹)

کیا انداز ہے کیا عبارت ہے۔ سبحان اللہ! جس پر تنقید کی جا رہی ہے اسے بُرا نہیں کہا جا رہا بلکہ نفس مسئلہ کو واضح کیا جا رہا ہے۔ یہی وہ دلربا انداز ہے کہ جس سے کسی مخالف کے آبگینۂ دل کو بھی ٹھیس نہیں پہنچتی اور ابلاغ بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے پیر صاحب کے حکیمانہ اسلوب بیان کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو پوری تفسیر میں جا بجا پھیلا ہوا ہے۔ گویا:

خیالِ خاطرِ احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے ان آبگینوں کو

سورۃ فلق اور سورۃ الناس کے حوالے سے بعض روایات کی رُو سے یہ تاثر دیا جاتا ہے۔ کہ ان آخری دو سورتوں کا جزو قرآن ہونا قطعی الثبوت نہیں ہے۔ سید مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں یہ مباحث جس انداز سے چھیڑے ہیں، اس سے ان سورتوں کا قرآنی ہونا محل نظر ٹھہرتا ہے۔ چونکہ بات قرآن کی قطعیت اور عدم قطعیت کی تھی۔ اس لیئے پیر صاحب نے اس مقام پر مولانا مودودی کا نام لیئے بغیر ان پر کڑی تنقید کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی بآسانی نظر انداز کرنے کیلئے تیار ہو، جس طرح صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہار خیال کیا ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیئے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے۔ جس کو وہ ہر نماز کی رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرأت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بکثرت تلاوت کی جاتی تھیں، اس لیئے انہیں نوک بر زبان تھیں۔ انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی۔ اس لیئے نہ لکھیں۔'' (۱۰)

-----------٨-----------

(۲) بلا تفریق مسلک ومکتب، علمائے کرام سے اخذ واستفادہ:

اہلسنت وجماعت بعض فروعی مسائل کی بنیاد پر دو حصوں میں واضح طور پر تقسیم ہو چکی ہے، جیسا کہ پیر صاحب نے بھی اپنے مقدمے میں لکھا ہے۔ مگر چونکہ وہ اتحاد امت کے نقیب تھے۔ ان کی فکر میں وسعت تھی۔ وہ صحیح معنیٰ میں معتدل تھے اور گو بریلوی مسلک ان کی عمومی پہچان تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ دیوبندی اور دیگر تحقیقی مسالک کے علماء کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور اپنی تائید میں انہیں بطور شہادات پیش کرتے تھے اس ضمن میں چند نامور شخصیات کا تذکرہ مع حوالوں کے ملاحظہ کیجئے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ:

إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ (النساء/۱۱۷)

نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا مگر دیویوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی۔ اس آیت کے تحت پیر صاحب نے لکھا ہے۔

''مولانا تھانوی نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:'' یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔'' (بیان القرآن)

تفہیم القران میں اس کا ترجمہ یوں درج ہے۔

''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں۔ وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں۔'' (۱۱)

میرے خیال میں ان ہر دو حضرات کے حوالے اگر نہ بھی دیئے جاتے تو بھی پیر صاحب کا حاشیہ کافی تھا۔ مگر ان کی وسعت قلبی اور جذبۂ خیر سگالی نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اس مقام پر ان حضرات کا حوالہ بھی دیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ:

وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ (النساء/۱۰۵)

اور نہ بنیئے بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے۔

اس آیت کے تحت پیر صاحب رقمطراز ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع فرمایا جا رہا ہے کہ آپ خائنوں کی طرفداری نہ کیا کریں۔ کیونکہ آپ کی ذات سے عدل وانصاف کی ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ انصاف کرتے وقت یہ دیکھنا کہ مسلمان کون ہے اور یہودی کون ہے۔ آپ کی شان سے بہت فروتر ہے۔ لیکن اس نہی سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ معاذ اللہ حضور نے خائنوں کی طرفداری کی تھی اس لیئے آپ کو منع کیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ نے طرفداری نہیں کی ویسے آئندہ بھی طرفداری نہ کریں۔ چنانچہ مولانا تھانوی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ ''پس آپ کی حالت اور نہی کے مجموعے سے حاصل یہ ہوگا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے اور یہ انتظامات بھی تکمیل عصمت نبویہ کے ہیں۔'' (بیان القرآن) (۱۲)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ:

پیر صاحب قبلہ نے دیوبندی مکتب فکر کے جس عالم کو سب سے زیادہ کوٹ (Quote) کیا ہے وہ یہی محترم ہستی ہیں ذیل کے حاشیوں میں ان کے حوالے ملاحظہ کیجئے۔

الرَّحْمٰنُ فَاسْأَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (الفرقان / ۵۹)

وہ رحمن ہے۔ سو پوچھو اس کے بارے میں کسی واقف حال سے۔

اس قرآنی فقرے کی تفسیر میں پیر صاحب نے خود کچھ نہیں لکھا براہ راست علامہ عثمانی کو اتار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

''علامہ عثمانی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ ، اپنی شئون وکمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے۔ انت کما اثنیت علی نفسک. لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین وآخرین کے تمام علوم جمع کر دیے۔ خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے۔'' (حاشیہ عثمانی) (۱۳)

وجعلنا من الماء کل شیء حیّ (انبیاء / ۳۰)

اور ہم نے پیدا فرمائی، پانی سے ہر زندہ چیز۔

اس فقرے کی شرح میں پیر صاحب نے لکھا ہے:

''ہر جاندار چیز کی تخلیق پانی سے کی گئی ہے۔ یہی اس کا مادہ اصلی ہے۔ یا ہر جاندار کی بقا اور نشوونما کا انحصار پانی پر ہے یا یہ کہ مادہ منویہ جو ہر جاندار کا اصل ہے وہ پانی ہے۔ بہر حال جس لحاظ سے دیکھو زندگی اور پانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مولانا عثمانی'' لکھتے ہیں'' عموماً جاندار چیزیں جو تم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ پانی سے بنائی گئیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں، وہ مستثنیٰ ہوگی۔ للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔'' (۱۴)

فلا تدعُ مع اللہ الھا آخر . (الشعراء / ۲۱۳)

پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور خدا کو۔

حاشیے میں پیر صاحب رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ جو وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے ساتھ کسی غیر کو خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں: ''یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو۔'' (۱۵)

ضیاء القرآن، جلد سوم میں سماع موتی کے حق میں پیر صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔'' (۱۶)

پھر آگے چل کر انہی کے حوالے سے دوبارہ لکھا ہے:

''علامہ عثمانی نے سماع موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ قال العلامہ الآلوسی البغدادی والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملہ. حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (فتح الملہم جلد دوم، ص ۹_۴۷۸)'' (۱۷)

مکۃ المکرمہ کی اہمیت اور فضیلت کے حوالے سے پیر صاحب نے سورہ المائدہ کی آیت ۹۷ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''علامہ عثمانی نے یہاں خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: ''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسانی کے لیے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا، اور مصلح اعظم اور سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مولد ومسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔'' (۱۸)

اس طرح سورۃ حٰم کا حاشیہ نمبر ۳۱ (جلد چہارم ص ۳۴۳) بھی ملاحظہ کیجئے۔

وما ھو علی الغیب بضنین. (التکویر / ۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر صاحب رقمطراز ہیں:

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ حضور کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کے لیے باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

''یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے، ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت وبطلان سے یا جنت ودوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔'' (تفسیر عثمانی) (۱۹)

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (انشراح / ۱)

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر صاحب نے جن علماء کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں علامہ سید محمود آلوسی، علامہ ثناء اللہ پانی پتی ملا علی قاری حنفی کے ساتھ ساتھ مولینا شبیر احمد عثمانی بھی شامل ہیں۔ بقول پیر صاحب کے مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا حوصلہ دیا۔'' (۴۰)

مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ:

مولانا انور شاہ کشمیری کے حوالے بھی پیر صاحب نے دیئے ہیں، میں یہاں صرف ایک حوالے پر اکتفا کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں:

سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں۔

وله جواب اخر وهو ان المنفى فى الأية هو الاسماع دون السماع. (فيض البارى جلد دوم، ص ۴۷)

علامہ موصوف اسی کتاب کی اس جلد کے صفحہ ۴۶۷ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

اقول: والا حاديث فى سماع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفى حديث صححه ابو عمر و ان احدا اذا سلّم على الميت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه فى الدنيا." (۴۱)

مولانا محمود حسنؒ (اسیر مالٹا):

مذکورہ بالا اکابرین دیوبند کے استاذ محترم مولانا محمود حسنؒ کے حوالے بھی ملاحظہ فرمالیجئے استعانت لغیر اللہ کے مسئلہ پر پیر صاحب نے اپنے موقف کے حق میں مولانا محمود حسنؒ کو بایں الفاظ کوٹ (Quote) کیا ہے۔

اور اس کا ماحصل مولانا محمود حسن صاحب نے اپنے حاشیہ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔'' (۴۲)

شیطان مریداً (النساء/۱۱۷) میں لفظ مرید کی وضاحت میں پیر صاحب نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سب مولانا محمود حسن سے ماخوذ مان کر لکھا ہے اور جسے انہوں نے'' حاشیہ محمود الحسن'' لکھ کر واضح بھی کر دیا ہے۔ (یہ بات میرے مطالعہ میں آچکی

ہے کہ مولانا محمود حسنؒ نے صرف سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرۃ کا حاشیہ لکھا ہے اور سورۃ آل عمران سے آخر قرآن تک تمام سورتوں کے حاشیے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھے ہیں۔ مگر ہم قبلہ پیر صاحب کو اس ضمن میں معذور سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے عرف کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا لکھا ہے۔ معلوم ہو کہ مولانا محمود حسن کے تعلق سے اکثر و بیشتر مقامات پر ایسا ہی کچھ لکھا گیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح محمود الحسن کا لفظ ہے۔ مولانا کا صحیح نام محمود حسن ہے نہ کہ محمود الحسن)

مولانا ابوالکلام آزادؒ:

مولانا ابوالکلام آزاد ہندوستان کے بہت بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ اور اب تو ان کا دائرۂ معرفت پوری اسلامی دنیا پر محیط ہے۔ پیر صاحب قبلہ نے تحقیقی امور میں متعدد مقامات پر ان کا ذکر کرنا پسند کیا ہے۔ مثلاً آزر کے چچا ابراہیم ہونے کے حق میں پیر صاحب نے لکھا ہے:

''مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس توجیہ کو پسند کیا ہے لکھتے ہیں: یہاں اب سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا۔ جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا۔ (ترجمان القرآن، جلد ۲، ص ۱۱۱۹، از آزاد)'' (۴۳)

اسی طرح سورۃ توبہ کے حاشیہ نمبر ۴۱ میں جزیہ اور مشرکین عرب کی بحث میں پیر صاحب رقمطراز ہیں:

مولانا آزاد نے یہاں خوب لکھا ہے:

''باقی رہے مشرکین عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ سورۃ براۃ کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہ تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے۔'' (۴۴)

ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ نمبر ۱۳۱ پر پیر صاحب رقمطراز ہیں:

''سامری کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:

قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے، عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا السامری کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے۔ اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا سامری تھا۔''

اس سے چند سطور آگے چل کر مولانا آزاد لکھتے ہیں:

''بہر حال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا۔ مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا

سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اس قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا اسی کو قرآن نے السامری کے لقب سے یاد کیا ہے۔'' (ترجمان القرآن، جلد دوم صفحہ ۴۶۴، ۴۶۵)(۲۵)

ضیاء القرآن، جلد سوم کے صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں:

''ذی القرنین کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولینا ابوالکلام آزاد رقمطراز ہیں کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قدیم کتابوں میں ذی القرنین کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کے نزدیک اس سے مراد کون ہے پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس ذی القرنین میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم نے ذکر کی ہیں اور کیا وہ کارنامے اس سے صادر ہوئے جنہیں قرآن نے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔''

اس جگہ پیر صاحب نے ابوالکلام آزاد سے تفصیلی مواد اخذ کیا ہے ہے اور آخر میں لکھا ہے:

''یہ تفصیلات بیشتر مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ماخوذ ہیں۔''(۲۶)

سورۃ النساء کے حاشیہ نمبر ۴۳ پر پیر صاحب نے لکھا ہے:

''تخلیق عالم کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے۔

''موجودہ زمانہ میں اجرامِ سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارض کی ابتدائی نشو و نما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہو گا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر بھی نظریے ہیں اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے لیکن کل کو کیا کریں گے۔ اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے۔ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے۔ اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے۔ خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔'' (ترجمان القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۷۵۔۱۷۶)(۲۷)

مولانا سید سلیمان ندویؒ:

دار المصنفین سے وابستہ معروف سیرت نگار مولینا سید سلیمان ندوی کا حوالہ بھی دیکھیے، پیر صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے، جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ'' (سیرت النبی جلد ۳،)(۲۸)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ:

معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا حوالہ بایں الفاظ پیش کیا ہے۔

''قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے خوب لکھا ہے۔

گزید فقر کہ فرماں روائے فلک ابد

بمشت خاک ندارد ہوئے سلطانی

یعنی حضور نے فقر کو پسند فرمایا، کیونکہ جس کو ملک ابد کی سروری بخشی گئی ہو وہ مشت خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔''(۲۹)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ:

مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر سے بھی پیر صاحب نے اخذ و استفادہ خوب کیا ہے۔ چند ایک مقامات سے حوالے پیش خدمت ہیں، پیر صاحب نے سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر ۷۹ کے ذیل میں لکھا ہے:

''جب تیہ کے ریگستان میں بنی اسرائیل پیاس سے تڑپنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں پانی کے لیے عرض کی۔ حکم ہوا فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو۔ حضرت موسیٰ نے یونہی کیا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور پانی کی قلت دور ہو گئی، وہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے۔ پادری دین اسٹینلے (Dean Stanley) نے انیسویں صدی کے وسط میں بائبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو (Sinai Palestine) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اس چٹان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں'' یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے۔ آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس صفصفہ کے قریب ''لیجا'' کی وسیع وادی میں واقع ہے۔'' سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے۔ یہ اشارہ انہیں شگافوں کی طرف ہے۔ (ص ۳۷۔۳۸ تفسیر ماجدی)(۳۰)

اسی طرح اگلا حاشیہ بھی دیکھیے:

یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکتا ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فقر و تنگدستی مسلط کر دی۔ حالانکہ ان کا شمار دنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لیے جیوش انسائکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل فقرات ملاحظہ فرمایئے۔ گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں انہیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ (جلد ۱۰، ص ۱۵۱) عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولت مند ہیں۔ (جلد ۱، ص ۹۱، تفسیر ماجدی) (۳۱)

ایک اور حوالہ دیکھیے:

بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی۔ جیوش انسائکلو پیڈیا میں ہے۔ ''آتش دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور خدا کے پاس واپس آ جائیں گے۔'' (جلد ۵، ص ۵۸۳، ماجدی) (۳۲)

سورۃ بقرہ کا حاشیہ نمبر ۱۱۸ دیکھیے:

سحر و جادو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیت حاصل کر چکا تھا وہ تھا جس سے میاں بیوی میں نا چاقی پیدا ہوتا کہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں۔ اس طرح وہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔ قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی چودہ صدیاں پہلے قرآن نے کی اس کو آج وہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیوش انسائکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے۔ سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔ (جیوش انسائکلو پیڈیا، جلد ۸، ص ۲۵۵) (تفسیر ماجدی)

وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ (النساء / ۷۸)

اور اگر پہنچے انہیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے انہیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں، یہ آپ کی طرف سے ہے (اے میرے رسول!) آپ فرمایئے، سب اللہ کی طرف سے ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر صاحب نے مولانا کا حوالہ بایں الفاظ دیا ہے۔

''مولانا دریابادی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ منافقین کا یہ من عند اللہ کہنا بھی بطور حمد نہ تھا بلکہ بطور محاورہ زبان تھا، جیسے اردو میں لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں'' (تفسیر ماجدی) (۳۳)

اسی طرح سورۃ النساء کے حاشیہ نمبر ۱۳۳ میں بھی تفسیر ماجدی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ:

پیر صاحب نے جہاں مولانا مودودی پر تنقید کی ہے وہیں متعدد جگہوں پر ان کے تائیدی حوالوں کا بھی خوب ذکر کیا ہے۔ مثلاً

ولا تجادل عن الذين يختانون انفسهم. (النساء / ۱۰۷)

اور مت جھگڑیں آپ ان کی طرف سے، جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے پیر صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا مودودی نے یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''جو شخص دوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وہ دراصل سب سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، کیونکہ دل اور دماغ کی جو قوتیں اس کے پاس بطور امانت ہیں ان پر بے جا تصرف کر کے وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ خیانت میں اس کا ساتھ دیں اور اپنے ضمیر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے اخلاق کا محافظ بنایا تھا اس حد تک دبا دیتا ہے کہ وہ اس خیانت کاری میں سد راہ بننے کے قابل نہیں رہتا۔ جب انسان اپنے اندر اس ظالمانہ دست برد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتا ہے تب کہیں باہر اس سے خیانت و معصیت کے افعال صادر ہوتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن) (۳۴)

ماكان لنبي ان يكون له اسرىٰ (الانفال / ۶۷)

نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی۔

آیت مذکورہ کی شرح میں پیر صاحب نے لکھا ہے کہ:

''توضیح مرام کے لیے مولانا مودودی کی عبارت بہت مفید ہے۔ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۃ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ اشارہ ہوا تھا کہ فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتىٰ اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتىٰ تضع الحرب اوزاره. اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ

وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے اور یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے۔" (تفہیم القران، جلد دوم) (۳۵)

الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول. (التوبہ / ۱۳)

کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم کے ساتھ، جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر صاحب نے مولانا مودودی کی تفہیم القرآن سے ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ: "ان زوردار الفاظ سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر اسلام کی جس نئی پالیسی کا جو اعلان کیا گیا تھا، اس سے اندیشہ تھا کہ کہیں کفر کی بجی کھچی جماعت اپنی بقا و سلامتی کے لیے اپنی ساری قوتوں اور وسائل کو داؤ پر لگا کر عرب کے اطراف و اکناف میں عام بغاوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ ان سے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان، کعبہ کی تولیت سے محرومی، حج کعبہ کی ممانعت وغیرہ ایسے احکام تھے جن سے ان کا بھڑک اٹھنا کوئی مستبعد نہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم جاری کر دیا اور پھر ایسے انقلابی فرائض پر کسی قسم کے احتجاج کے ظہور پذیر نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ انہیں ہر طرف مسلمان شمشیر بکف اور مستعد کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔" (۳۶) (واللہ اعلم بالصواب)

حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (یونس / ۹۰)

حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بصد یاس) کہنے لگا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں، بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور (میں اعلان کرتا ہوں کہ) میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر صاحب نے سورۂ یونس کے حاشیہ نمبر ۱۲۳ کے تحت جو کچھ لکھا ہے، وہ سب کا سب مولانا مودودی کی تفہیم القران سے ماخوذ بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"عذاب کا فرشتہ جب شہ رگ کو آ کر دبوچ لے۔ پردۂ غیب میں مستور حقائق جب بے حجاب دکھائی دینے لگیں تو اس وقت ایمان لانا شریعت میں معتبر نہیں۔ اس لیئے حالت اضطرار میں جب فرعون نے ایمان لانے کا اعلان کیا تو اسے اس کے منہ پر پٹخ دیا گیا۔ اگرچہ بائبل میں فرعون کے ایمان لانے کا تذکرہ نہیں لیکن تلمود میں صراحتاً مذکور ہے کہ اس وقت فرعون نے کہا۔ "میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ اے خداوند تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔" (تفہیم القرآن)

اسی طرح اگلے حاشیے میں لکھا ہے:

"ہو سکتا تھا کہ سمندر کی بے رحم موجیں اس کی نعش کو کہیں دور بہا لے جائیں اور سمندر کا کھارا پانی تھوڑی دیر میں اس کے گوشت پوست کو گلا کر رکھ دیتا یا بحری جانور اسے نگل جاتے اور اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہتا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ دنیا خدائی کے جھوٹے مدعی کے ہولناک انجام کو فراموش کر دے چنانچہ موجوں کو حکم ملا اور انہوں نے اس کے بے روح جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا۔ یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں فرعون کی لاش کو سمندر نے پھینکا تھا۔ اس کی لاش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی اس کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ نیز باقی لوگوں کے لیے بھی آئینِ درسِ عبرت ہے۔ مصر میں ایسے مسالے ایجاد ہو چکے تھے، جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور امراء کی لاشوں کو ممی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ماہرین آثار قدیمہ نے مصر کے شاہی قبرستانوں سے متعدد ممی شدہ لاشیں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں۔ مصر کے عجائب گھر (دار الآثار) میں ایک لاش موجود ہے، جس کے متعلق ماہرین اثریات کا خیال ہے کہ یہ فرعون موسیٰ رعمیس ثانی کی لاش ہے۔ سن ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی، جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔" (تفہیم القرآن)

موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ایک سامری کا ذکر آتا ہے۔ پیر صاحب نے سامری کے بارے میں جہاں مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا ہے وہیں قبل ازیں مولانا مودودی کی تفہیم القرآن سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور آخر میں "تفہیم القرآن" کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

"مولانا مودودی لکھتے ہیں! شاید ان مدعیان علم و تحقیق کا گمان یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ایک نام کا ایک ہی شہر یا قبیلہ یا مکان ہوا کرتا تھا اور ایک نام کے دو یا زائد اشخاص یا قبیلہ و مکان ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا۔ حالانکہ سمیری قدیم تاریخ کی ایک نہایت مشہور قوم تھی، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں

عراق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر چھائی ہوئی تھی اور اس بات کا بہت امکان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اس قوم یا اس کی کسی شاخ کے لوگ سامری کہلاتے ہوں، پھر خود اس سامریہ کی اصل کو بھی دیکھ لیجئے جس کی نسبت سے شمالی فلسطین کے لوگ بعد میں سامری کہلانے لگے۔''

بائبل کا بیان ہے کہ دولت اسرائیل کے فرمانروا عمری نے ایک شخص سمر نامی سے وہ پہاڑ خریدا تھا، جس پر اس نے بعد میں اپنا دارالسلطنت تعمیر کیا اور چونکہ پہاڑ کے سابق مالک کا نام سمر تھا اس لیئے اس شہر کا نام سامریہ رکھا گیا۔ (سلاطین ا، ب ۱۶، آیت ۲۴)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے سمر نام کے اشخاص پائے جاتے تھے اور ان سے نسبت پا کر ان کی نسل یا قبیلے کا نام سامری اور مقامات کا نام سامریہ ہونا کم از کم ممکن ضرور تھا۔ (تفہیم القرآن، جلد سوم، ۱۱۳۔۱۱۴) (۳۷)

وھو الذی مرج البحرین ھذا عذبٌ فراتٌ وّھذا ملح اجاج (الفرقان / ۵۳)

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو یہ (ایک) بہت شیریں ہے اور یہ (دوسرا) سخت کھاری ہے۔

پیر صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں بھی مولانا مودودی کو کوٹ کیا ہے۔ فرماتے ہیں!

''اس کی تصدیق تفہیم القرآن کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

''ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مراۃ الممالک میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں، جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پانی پینے کا حاصل کرتا رہا ہوں۔

موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداءً وہ بھی خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی، بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھود لیئے گئے اور ان سے پانی لیا گیا۔'' (تفہیم القرآن، جلد ۳، صفحہ ۴۵۸) (۳۸)

-----------۸-----------

یہاں تک وہ حوالے مذکور ہوئے، جو بظاہر پیر صاحب سے منسوب مسلک سے غیر متعلق لوگوں کے تھے، مگر آپ نے دیکھا کہ پیر صاحب نے ان تمام علماء کو نہ صرف اپنی تفسیر میں بحیثیت مفسر و محقق نمایاں کیا بلکہ ان کی باتوں کو مستند بھی جانا اور انہیں علامہ اور مولانا بھی لکھا۔ کسی کی شان میں تخفیف نہیں کی۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب دیوبندی بریلوی اختلافات کی وبا پورے ملک میں چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ مگر پیر صاحب چونکہ معروف معنی میں بریلوی مسلک کے حامل نہیں تھے بلکہ وہ شروع سے ہی مسلکِ اعتدال پر گامزن تھے اور میرے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ مجھے ان کی تفسیر میں کسی ایک مقام پر بھی مسلکِ بریلویہ کے سب سے

بڑے عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی کا کوئی حوالہ نہیں ملا۔ اور یہ ان کے غیر بریلوی ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اس سے ان کی فکری جہت کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ وہ اپنی تفسیر میں اپنے اساتذہ کرام کے حوالے بڑے اہتمام سے دیتے ہیں۔ مثلاً مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کہ جنھیں وہ صدر الافاضل کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور انہیں متعدد جگہوں پر محل استشہاد میں بھی پیش کرتے ہیں۔ میں ذیل میں صرف ان چند مقامات کی نشاندہی کرتا چاہتا ہوں (نہ کہ عبارات کو) جہاں پیر صاحب نے مولانا مراد آبادی کا حوالہ دیا ہے۔

المائدہ، حاشیہ: ۱۷، ۱۲۸، ۲۰۱۔ الاعراف، حاشیہ: ۲۰۶، التوبہ، حاشیہ: ۳۸، ۱۳۹۔ بنی اسرائیل، حاشیہ: ۸۳، مریم، حاشیہ: ۵ وغیرہ پیر صاحب نے اپنے ایک اور استاد محترم الشیخ محمد ابوزہرہ مصری کا ذکر ایک مقام پر بایں الفاظ کیا ہے ''ان سطور میں میں نے اپنے استاد اور مصر کے شہرۂ آفاق عالم شیخ ابوزہرہ کے مقالہ ''شریعۃ القرآن'' کا ماحصل پیش کیا ہے۔ جو ماہنامہ المسلمون، رجب ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا تھا، اب حضرت الاستاذ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اللہ کریم انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین) (۳۹)

علاوہ ازیں الشیخ مفتی محمد عبدہٗ (۴۰)، اور الشیخ رشید رضا مصری کے حوالے بھی موجود ہیں۔ دیکھئے آل عمران، حاشیہ: ۱۲۳، النساء، حاشیہ: ۸۰، ۱۵۸۔ انفال، حاشیہ: ۹۰۔ التوبہ، حاشیہ ۹۳۔

پیر صاحب نے اپنی تفسیر میں پیر مہر علی شاہ کا ذکر بھی بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفتِ بشریت کے باب میں لکھتے ہیں:

''مہر سپہر علم و عرفان حضرت پیر مہر علی شاہ نور اللہ مرقدہٗ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔'' (۴۱)

-----------۹-----------

بریلوی کتب میں یہ امر یقیناً حیرت کا باعث ہوگا کہ پیر صاحب کے ہاں مولانا احمد رضا خان بریلوی پر (نام لیے بغیر) تنقید بھی ملتی ہے۔

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ (التحریم / ۴)

اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیئے بہتر ہے)

اس آیت میں لفظ صغت پر اگر توجہ رہے تو صورتحال واضح ہو جائے گی۔ پیر صاحب نے صغت کا معنی مائل ہونے کیا ہے۔ جبکہ مولانا بریلوی کے ہاں اس کے معنی ''راہ سے ہٹنے'' کے لیے گئے ہیں۔ (۴۲)

چونکہ تتوبا کا فاعل حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اس لیئے صغت کا وہ معنی جو مولانا بریلوی کے ترجمے میں ملتا ہے، خاصا سنگین ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی نسبت اگر امہات المومنین کی طرف نہ بھی ہو تب بھی اس کے وہ معنی کسی طور بھی صحیح نہیں بنتے، جو مولانا بریلوی کے ہاں ملتے ہیں۔ کیونکہ عربی لغات سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اس لیئے

پیر صاحب کی یہ عبارت قابل توجہ ہے۔

''اللہ نے جب زاغت (جس کا معنی ٹیڑھا ہونا یا کج ہونا ہے) کا لفظ استعمال نہیں کیا، بلکہ صغت کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ کسی طرح مناسب نہیں۔''

اسی طرح ''والضحی'' کا ترجمہ مولانا بریلوی کے ہاں ملتا ہے، قسم ہے وقتِ چاشت کی، جبکہ پیر صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے، قسم ہے روز روشن کی اور اپنی تفسیر میں وضاحت کی کہ یہاں ضحٰی سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ سارا دن ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی پیر صاحب قبلہ نے مولانا بریلوی کا نام لیے بغیر اپنے ہاں ان کے ترجمے کی عدم قبولیت کو ظاہر کیا ہے۔

-----------o-----------

(۳) تفسیری مختارات ور جحانات:

اب ہم پیر صاحب کے تفسیری مختارات ور جحانات کا جائزہ لیں گے۔

طعام اہل کتاب کے تعلق سے پیر صاحب نے لکھا ہے:

''یہاں طعام سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ جانور جسے کسی یہودی اور نصرانی نے ذبح کیا ہو، اس کا کھانا مسلمان کے لیے حلال ہے۔ اگر ذبح کے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر تو سب ائمہ اس کے حلال ہونے پر متفق ہیں لیکن اگر وہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کا نام لیکر ذبح کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق بہترین قول وہ ہے، جسے صاحب روح المعانی نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر تو خود سنے کہ اس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اسے نہ کھا اور اگر تو نے خود نہیں سنا تو پھر حلال ہے۔''

(سورۃ المائدہ، حاشیہ نمبر ۱۸)

یہاں پیر صاحب نے جس قول کو بہترین کہا ہے، وہی ان کا مختار ہے۔

ایمان ابو طالب کا مسئلہ اہلسنت میں مختلف فیہ ہے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ:

''اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آ پہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الہ الا اللہ، تا کہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں۔ لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباسؓ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا۔ (سیرت ابن ہشام)''

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

مسئلة اسلامه خلافیه... ثم الله علی القول بعدم اسلامه لا ینبغی سبه والتکلم فیه بفضول الکلام فان ذلک مما یتاذی به العلویون بل لا یبعد ان یکون مما یتاذی به النبی علیه الصلوة والسلام الذی نطقت الایه بناء علی هذه الروایات بحبه ایاه والا حتیاط لا یخفی علیٰ ذی فهم.

ع لاجل عین الف عین تکرم.

ترجمہ: ''حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں، انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں۔ کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہے۔ ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔'' (۴۴)

پیر صاحب نے ابو طالب کو کافر قرار دینے والوں کا بہت پیار سے رد کیا ہے۔ ان کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے دل میں ابو طالب کا بڑا ادب و احترام تھا۔

پیر صاحب ایصال ثواب کے مروجہ مفہوم کے قائل ہیں۔ ان کی یہ بحث سورہ نجم کی آیت نمبر ۳۹ کی تفسیر میں ہے، جو تقریباً چھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ بحث کے آخر میں ایک نوٹ ہے کہ اس آیت کی تشریح میں ایصال ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں، اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں، وہ سب تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔ (۴۵)

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَـٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

(البقرہ، ۱۸۹)

دریافت کرتے ہیں آپ سے نئے چاندوں کے متعلق (کہ یہ کیوں کر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں، لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو گھروں میں ان کے پچھواڑے سے ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور آیا کرو گھروں میں ان کے دروازوں سے اور

ڈرتے رہو اللہ سے اس امید پر کہ کامیاب ہو جاؤ۔

پیر صاحب اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب احرام باندھ لیا کرتے اور انہیں گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار میں سوراخ کر کے داخل ہوا کرتے اور اس کو بڑی نیکی سمجھتے۔ اس لایعنی حرکت سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقے سے کیا جائے تو عرب کہتے انه اتى البيت من بابه. یعنی اس نے صحیح طریقے سے یہ کام کیا۔ اور اگر غلط طریقے سے کوئی کام کرتے تو کہتے انه لم يات البيت من بابه، یہاں بھی سائلین کو بتایا گیا کہ ان چیزوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ اٹھے اور نبی سے پوچھ لیا بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی سوچ بچار و مشاہدات اور تجربات سے ان سوالات کا حل تلاش کیا جائے۔ واللّٰہ اعلم. (۳۶)

اس آیت کی تفسیر آپ نے ملاحظہ کی۔ پیر صاحب کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ وہ سوالات و معاملات کو سمجھنے کے لیے سوچ و بچار، مشاہدات اور تجربات پر زور دینا چاہتے ہیں گویا انہوں نے قرآنی آیت سے اجتہادی پہلو اخذ کرنے پر زور دیا ہے۔

ہماری فقہ میں تفویض طلاق کا قانون، قرآنی بنیادوں پر قائم نہیں ہوا ہے۔ ہمارے فقہاء نے پتہ نہیں اسے کس دلیل سے وضع کر رکھا ہے۔ اس مسئلہ پر راقم الحروف نے ایک مضمون لکھا ہے، جو معارف اعظم گڑھ میں (جنوری ۲۰۰۷ء کو شائع ہوا ہے۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ پیر صاحب کی تفسیر میں بھی بڑی صراحت کے ساتھ تفویض طلاق کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ میرے موقف کے حق میں جاتا ہے۔ پیر صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''مرد کیونکہ فطری طور پر عورت سے نسبتاً زیادہ مدبر، دور اندیش اور جذبات کی رو میں بہہ جانے کی بجائے عقل و ہوش سے زیادہ کام لینے والا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کی ساری ذمہ داریاں بھی اس کے کندھوں پر ہیں۔ اس لیے شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے۔'' (۳۷)

پیر صاحب کے الفاظ کے مطابق جس بنیاد پر یہ حق مرد کو دیا گیا ہے وہ بنیاد عارضی نہیں بلکہ مستقل ہے۔ چنانچہ مرد کا حق طلاق، جس علت کا معلول ہے۔ تو عدم علت کے باعث عورت یہ حق لینے کی کیسے مجاز ہو سکتی ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عورت کا قانونی حق خلع اور عدالتی فسخ نکاح کا قانون بجائے خود اس امر کے خلاف کافی دلیل ہے کہ ان دو منصوص قوانین کی موجودگی میں عورت کو حق طلاق تفویض کرنے کا قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

مجھے نہیں پتہ کہ قتل مرتد پر پیر صاحب کا فقہی موقف کیا ہے؟ البتہ ان کے ایک حاشیے سے مجھے ایسا لگتا ہے کہ قتل مرتد پر

ان کا موقف غیر روایتی ہے۔ ان کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

''ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنہ کہا جا رہا ہے، جو قبول اسلام کے بعد مرتد ہو گئے، جو اسلام کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اتنے طوطا چشم ہیں کہ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، ان کی قسموں پر اعتماد کرنا یا ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ جانا بڑی سادہ لوحی ہے جو ایمانی فراست سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی کھوپڑی پر جب تمہارا آہنی گرز لگے گا تو ان کو ہوش آئے گا اور وہ حقیقت شناسی کی طرف مائل ہوں گے۔ کفار کی ذہنیت کا کتنا صحیح تجزیہ ہے۔'' (۳۸)

حاشیے کے مطابق مرتد ہونے والوں کے لیے اسلام کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرنے کا تصور لازماً ان کے حکم قتل کا نقیض ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیر صاحب قتل مرتد کے حق میں نہیں ہیں۔ ورنہ وہ اپنا حاشیہ اس انداز میں نہ لکھتے۔

----------"----------

(۴) قرآن فہمی:

ليعلم اللّٰه من يخافه بالغيب. (المائدہ / ۹۴)

تاکہ پہچان کراوے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے ان دیکھے۔

لیعلم کا ترجمہ بالعموم جاننے سے کیا جاتا ہے مگر تحقیقی طور پر ثابت ہے کہ علم یعلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بجائے جاننے کے پہچان کرانے کے مفہوم پر ہو تو بات محدود رہنے کی بجائے ''متعدی'' ہو جاتی ہے اور دہرا فائدہ دیتی ہے۔ اللہ تو جانتا ہی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر وہ اپنے جاننے میں دوسروں کو شریک کرتا ہے تو کلام زیادہ با مقصد لگتا ہے، اس جگہ اس کا یہی ترجمہ ہونا چاہیے تھا۔ پیر صاحب کے ترجمے نے اس لفظ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس ترجمہ کی سند مولانا بریلویؒ کے ہاں پہلے سے موجود ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''کہ اللہ پہچان کراوے ان کی۔ جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں۔'' (کنز الایمان)

بہتر ہوگا کہ میں یہاں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفسیر سے بھی ایک حوالہ نقل کر دوں۔ وہ فرماتے ہیں:

''ليعلم اللّٰه من يخافه بالغيب. یہ اس آزمائش کا مقصد بیان ہوا ہے۔ علم یعلم کا معنی ہم دوسری جگہ بیان کر چکے ہیں کہ ممیز کرنے کے بھی آتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ امتحان اللہ تعالیٰ نے اس لیے رکھا ہے کہ وہ ان لوگوں کو ممیز کرے جو غیب میں اپنے خدا سے ڈرتے ہیں۔ یہاں مقابل کا مجملہ محذوف ہے۔ یعنی ان لوگوں سے ممیز ہے۔ جو غیب میں اپنے خدا سے نہیں ڈرتے۔'' (۳۹)

سورۂ نحل کی آیت نمبر ۶۷ میں ''سکرا'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پیر صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ ''نشہ آور'' کے الفاظ سے کیا ہے۔ اور اپنے حاشیے میں لکھا ہے۔

''سکر، لغت میں شراب کو کہتے ہیں السكر فى اللغة الخمر (البحر) حضرت ابن عباس سے

مروی ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی، جبکہ مسلمان بھی اسے استعمال کیا کرتے تھے اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا بعد میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا تو یہ آیت منسوخ ہو گئی لیکن دوسرے علماء نے کہا کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایسے مقام پر کسی پلید اور نجس چیز کا ذکر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی رائے میں سکر سے مراد کھجور اور انگور کا میٹھا رس ہے، جو حلال ہوتا ہے۔ قیل السکر العصیر الحلو الحلال (بحر قرطبی) اس طرح نسخ کرنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور وہ شبہ بھی دور ہو جائے گا۔ ترجمہ اس قول کے مطابق کیا گیا ہے۔" (۵۰)

آپ نے دیکھا کہ پیر صاحب نے حضرت ابن عباس سے مروی قول، جو کہ منسوخی آیت کے مفہوم پر مبنی ہوا تھا۔ اسے قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس، اس قول کے مطابق ترجمہ کیا، جس سے آیت میں ضرورت نسخ ہی ختم ہو جاتی ہے اور اس طرح "ناسخ و منسوخ" کی بحث میں ہمیں ان کے علمی رجحان کا بھی پتہ چلتا ہے۔

وکفی اللہ المومنین القتال. (الاحزاب/ ۲۵)

اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے پہلے۔

پیر صاحب نے یہاں کفی کا معنی "بچا لیا" کر کے قرآن کے مفہوم کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ گویا آیت کے مجموعی مفاد کو ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ترجمہ بہت دلکش اور مطابق واقعہ ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح / ۱، ۲)

یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے تا کہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ، جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔

یہ ترجمہ روایت سے بالکل ہٹ کر ہے اور بہت اچھا ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کی دوسری مثال ہمارے ہاں غلام احمد پرویز کا ہاں ملتی ہے (راقم نے "مغفرت ذنب کا معنی و مفہوم" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر شائع کیا ہے۔ اس میں مغفرت ذنب کے معنی کی ایک نئے پہلو سے وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بحث بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ دلچسپی رکھنے والے احباب اسے ضرور پڑھیں۔ (۵۱)

قُل لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۝ (الفتح/ ۱۶)

یہ آیت تصور جہاد کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ بالعموم علمائے تفسیر نے اسے اسلام یا تلوار کے عنوان سے سمجھا ہے اس لیے وہ اس کا ترجمہ بایں الفاظ کرتے ہیں۔

"جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لیے بلائے جاؤ گے۔ ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے۔" (فتح محمد جالندھری)

اس مفہوم پر مشتمل جن حضرات کے ترجمے ملتے ہیں ان میں شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ رفیع الدین دہلوی، مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا محمود حسن دیوبندی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مرزا بشیر الدین محمود قادیانی، سید محمد محدث کچھوچھوی، محمد جوناگڑھی، فرمان علی (اہل تشیع)، مولانا احمد سعید کاظمی، اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ شامل ہیں۔

یہ آیت ہمارے مترجمین و مفسرین نے جس طرح سمجھی اور سمجھائی ہے اس سے اسلام کا پوسچر (Posture) انتہائی خون ریزی اور جبر کر کے مسلمان کرنے والے دین کا بنتا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام ہرگز ایسا دین نہیں کہ جو اپنے آپ کو تلوار کے زور سے منوائے۔ بھلا سوچئے کہ جس دین نے لا اکراہ فی الدین کی تعلیم، کھلے لفظوں میں دی ہو، وہ تلوار کے ذریعہ مسلمان کرنے کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ یسلمون کا ترجمہ چونکہ بالعموم اسلام لانے یا مسلمان ہونے سے کیا گیا ہے اس لیے مسلمانوں میں اسی تصور کا پیدا ہونا بھی یقینی امر ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اردو میں کئے گئے بعض تراجم نے یسلمون کا مطلب مسلمان ہونا یا اسلام قبول کرنا نہیں لیا بلکہ یسلمون کا لغوی مفہوم سامنے رکھ کر مقصود قرآنی کو سمجھا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ تم کو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔ (سید مودودی)

۲۔ یا تم ان سے جنگ کرتے رہو یا وہ اطاعت کر لیں۔ (احمد سعید دہلوی)

۳۔ شاہ عبدالحق حقانی نے بھی یسلمون کا ترجمہ اطاعت قبول کرنے سے کیا ہے اور اپنے حاشیہ میں وضاحت کی ہے کہ یسلمون سے اسلام لانا مراد نہیں بلکہ مطیع ہو جانا اور جزیہ قبول کرنا مراد ہے۔

۴۔ خواجہ احمد الدین اور مولانا محمد علی نے بھی یسلمون کا ترجمہ فرمانبردار ہو جانے سے کیا ہے۔

۵۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے یہاں اس کا مطلب "مطیع اسلام" سے کیا گیا ہے بقول دریابادی کے "خواہ مسلمان بن کر یا ذمی بن کر"۔

۶۔ غلام احمد پرویز اور پیر محمد کرم شاہ الازہری کے ہاں اس کا مطلب علی الترتیب ہتھیار رکھنے اور ہتھیار ڈالنے سے کیا گیا ہے۔

اوپر آپ نے یسلمون کے دونوں طرح کے تراجم کی مثالیں دیکھیں۔ طرح اول سے جبراً مسلمان کرنے کا تصور اجاگر کیا گیا ہے جو کہ (میرے نزدیک) قرآن کی اصولی اور معقولی تعلیم کو ہی باطل کر دینے والا تصور ہے۔ نیز اس ترجمہ سے اسلام کا

تصورِ امن و سلامتی خود معرضِ خطر میں پڑ جاتا ہے۔ جبکہ طرزِ دوم کے تحت ہونے والے تراجم قرآنی مقاصد و محاسن سے مالا مال نظر آتے ہیں۔ ان تراجم سے اسلام کی صلح پسندانہ روش جو کہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے، سامنے آتی ہے۔ مطلب یہ کہ اسلام اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کا حکم تو دیتا ہے۔ مگر وہ انہیں جبراً مسلمان کرنے سے روکتا ہے۔ اس لیے کہ جبر کا مارا انسان، اسلام میں منافق بن کر تو رہ سکتا ہے مسلمان بن کر نہیں۔

الغرض اس آیت کا جو ترجمہ پیر صاحب نے کیا ہے۔ وہ ان کی قرآن فہمی پر دلیل ہے۔ ذیل میں پیر صاحب کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔

زیرِ نظر مضمون میں چار پہلوؤں سے مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔ گو ضیاء القرآن پر گفتگو کے مزید گوشے اور پہلو ابھی باقی ہیں، جنہیں آئندہ کسی مضمون میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ سرِ دست اسی پر اکتفا ہے اس اظہارِ واقعی کے ساتھ کہ کسی بھی تفسیر کو قرآن کی جامع، کامل اور آخری تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی تفسیر ہر طرح کے عیب اور نقص سے پاک ہے، سو اس تفسیر کو بھی میں اسی ذیل میں محسوب کرتا ہوں۔ اور تفسیر ہذا پر اپنی ذاتی تنقیدات کو روکتا ہوں کہ یہاں اس کا محل نہیں ہے۔ درحقیقت ذلک الکتاب لا ریب فیہ فقط وصفِ قرآنی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ صفحہ نمبر ۸، مقدمہ تفسیر ضیاء القرآن۔
۲۔ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲، ماخوذ از مقدمہ ضیاء القرآن
۳۔ سورۃ المائدہ، حاشیہ نمبر ۱۱۸
۴۔ جلد پنجم، سورۃ الدھر، حاشیہ نمبر ۱۲
۵۔ جلد چہارم، سورۃ الاحزاب، حاشیہ نمبر ۲۳
۶۔ تفسیر زیر آیت ۳۳، سورۃ احزاب، جلد ۹، ص ۲۲۳
۷۔ جلد اول، سورۃ المائدہ، حاشیہ نمبر ۱۸۹
۸۔ جلد دوم، سورۃ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ۲
۹۔ جلد سوم، سورۃ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۸۲
۱۰۔ جلد پنجم، سورۃ فلق والناس، تعارف بحث اول، ص ۷۲۱ تا ۷۲۲
۱۱۔ جلد اول، سورۃ النساء، حاشیہ نمبر ۱۷۷
۱۲۔ جلد اول، سورۃ النساء، حاشیہ نمبر ۱۵۹

۱۳۔ جلد سوم، سورۃ الفرقان، حاشیہ نمبر ۵۶
۱۴۔ جلد سوم، سورۃ انبیاء، حاشیہ نمبر ۴۲
۱۵۔ جلد سوم، سورۃ الشعراء، حاشیہ نمبر ۱۰۸
۱۶۔ جلد سوم، ص ۵۸۷، سورۃ الروم، حاشیہ نمبر ۵۵
۱۷۔ جلد سوم، ص ۵۸۹، سورۃ الروم، حاشیہ نمبر ۵۵
۱۸۔ جلد اول، سورۃ المائدہ، حاشیہ نمبر ۱۴۳
۱۹۔ جلد پنجم، سورۃ التکویر، حاشیہ نمبر ۱۷۔
۲۰۔ جلد پنجم، سورۃ الشرح، حاشیہ نمبر ا
۲۱۔ جلد سوم، ص ۵۹۸
۲۲۔ جلد اول، ص ۲۵، سورۃ فاتحہ، حاشیہ نمبر ۱۰
۲۳۔ جلد دوم، ص ۲۵۹، سورۃ توبہ، حاشیہ نمبر ۱۶۳
۲۴۔ جلد دوم، ص ۱۹۶
۲۵۔ سورۃ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۷
۲۶۔ جلد سوم، ص ۵۰
۲۷۔ جلد سوم، ص ۱۹۲ تا ۱۹۳، سورۃ الانبیاء، حاشیہ نمبر ۴۳
۲۸۔ جلد دوم، ص ۶۲۲، سورۃ بنی اسرائیل، حاشیہ نمبر ا
۲۹۔ جلد پنجم، ص ۵۹۱، سورۃ الضحیٰ، حاشیہ نمبر ۱۸
۳۰۔ جلد اول، ص ۶۰ تا ۶۱، سورۃ بقرہ، حاشیہ نمبر ۷۹
۳۱۔ ایضاً ۶۱ تا ۶۲، سورۃ بقرہ، حاشیہ نمبر ۸۰
۳۲۔ ضیاء القرآن، جلد اول، ص ۶۹ تا ۷۰، حاشیہ نمبر ۹۷، سورۃ بقرہ
۳۳۔ سورۃ النساء، حاشیہ نمبر ۱۴۱
۳۴۔ النساء، حاشیہ نمبر ۱۶۲
۳۵۔ الانفال، حاشیہ نمبر ۸۷
۳۶۔ التوبہ، حاشیہ نمبر ۱۹
۳۷۔ طٰہٰ، حاشیہ نمبر ۱۷
۳۸۔ فرقان، حاشیہ نمبر ۵۰
۳۹۔ النساء، حاشیہ نمبر ۳۰
۴۰۔ النساء، حاشیہ ۱۰۹
۴۱۔ الکہف، حاشیہ نمبر ۱۴۳
۴۲۔ مولانا بریلوی کا ترجمہ ملاحظہ ہو: "نبی کی دونوں بیبیو اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔" (کنز الایمان)
۴۳۔ المائدہ، حاشیہ نمبر ۸

۴۴۔ القصص، حاشیہ نمبر ۹۳

۴۵۔ النجم، حاشیہ نمبر ۳۰

۴۶۔ البقرہ، حاشیہ نمبر ۲۳۱

۴۷۔ البقرہ، حاشیہ نمبر ۲۹۶

۴۸۔ التوبہ، حاشیہ نمبر ۱۸

۴۹۔ تفسیر زیر آیت، تدبر قرآن، جلد ۲، ص ۵۹۵

۵۰۔ النحل، حاشیہ نمبر ۷۸

۵۱۔ سہ ماہی التفسیر، کراچی (اپریل تا جون ۲۰۰۵ء)

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد: ۶، شمارہ: ۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہدایات کی روشنی میں لکھی گئی تفسیر

''احکام القرآن'' ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، ایسوسی ایٹ پروفیسر
صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ

Abstract:

An analytical study of Tafseer Ahkam-ul-Quran.

In the last years of his life, Mulana Ashraf Ali Thanwi seriously felt the need that a comprehensive book related to Ahkam-ul-Quran should be written which could meet the need of hour and fulfill the requirement of modern age. The arguments of such book should be based on reference, especially from the works of Hanfi Jurists. In the start, Mulana Ashraf Ali Thanwi himself was willing to compile such kind of book. But due to his extra ordinary engagement, illness and weakness, he handed over this project to the team of four Ulama comprising on Mulana Zafer Ahmed Usmani, Mufti Muhammad Shafi , Mulana Mohammad Idrees kandhlvi and Mufti Jamil Ahmed Thanwi,. Later on Mulana Abdul Shakoor Tirmizi also joined the team of Ulama. In the very bigining, the name of the book was proposed Dalail-ul-Quran Ala Masail-ul-Numan Later on, its name was suggested as Ahkam-ul-Quran.

Almost in sixty five years, this project was complied and a Tafseer named Ahkam-ul-Quran came into existence. This Tafseer initially published in the form of different parts, some parts published separately earlier, while other parts also published later on. In the recent past, the remaining parts also published. In this way, a Fiqhi Tafseer named Ahkam-ul-Quran was completed and published. Opinions of Hanafi jurists which were scattered in various books regarding different problems were gathered and reproduced in this Tafseer. This Tafseer Ahkam-ul-Quran is no doubt a precious effort. This work is widely appreciated by the circles of the Ulama and knowledge wise, it is value able.

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان کلام ہے اور گونا گوں علوم وحکم اور اسرار وحقائق سے بھرا ہوا ہے، یہ کتاب صرف امثال وقصص کی کتاب نہیں ہے، بلکہ انفرادی واجتماعی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی ہے۔ اسی طرح یہ کتاب اصول وکلیات کی جامع ہے اور اس کے جزئیات کی تفصیل وتعیین رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم کے یہی اصول وکلیات شریعت کی زبان میں احکام کہلاتے ہیں، انہیں احکام سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے علماء کرام نے ایک خاص علم ایجاد کیا، جو فقہ القرآن یا احکام القرآن کے نام سے موسوم ہے اور یہ وہ علم ہے جس میں قرآن حکیم کی آیات سے فقہی اور قانونی احکام اور مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ گویا علم تفسیر کی اس خاص نوع میں ان آیات پر بحث کی جاتی ہے جن میں احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ علم سب سے اہم قرار پاتا ہے، کیونکہ اس کتاب ہدایت کے نزول کا بنیادی مقصد احکام الٰہی کی پابندی ہے، چنانچہ قرآنی احکام اصل ہیں اور دیگر علوم وفنون انہیں احکام کا علم حاصل کرنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔

امام غزالیؒ کا بیان ہے کہ قرآن مجید میں احکام کی آیات پانچ سو (۵۰۰) ہیں اور بعض علماء نے صرف ایک سو پچاس (۱۵۰) آیات ہی بیان کی ہیں، کہا گیا ہے کہ شاید ان لوگوں کی مراد انہی آیتوں سے ہے جن میں احکام کی تصریح کردی گئی ہیں، کیونکہ قصص وامثال وغیرہ کی آیتوں سے بھی تو اکثر احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ (۱)

پہلی صدی ہجری کے اواخر سے اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے قرآن مجید کے فقہی احکام پر اس نقطہ نظر سے خاص طور پر غور وخوض شروع کردیا تھا کہ کس آیت سے کتنے احکام نکلتے ہیں اور قرآن مجید کے کون کون سے الفاظ میں کون سا اسلوب

ایسا استعمال ہوا ہے جس سے کوئی نیا حکم معلوم ہوتا ہے، یہ اتنا بڑا اور اتنا غیر معمولی کام تھا جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے براہ راست جتنے احکام مستنبط کیے ہیں، ان کی تعداد چھیاسی ہزار سے زائد ہے اور ان کے مرتب کردہ احکام کی روشنی میں ان کے تلامذہ اور متوسلین نے جو مزید تفریعات (فروعی احکام اور جزوی تفصیلات) مرتب کی ہیں، ان سب کو اگر جمع کیا جائے تو ان کی تعداد دس لاکھ بنتی ہے، گویا انہوں نے قرآن مجید کی چند سو آیات احکام سے دس لاکھ چھیاسی ہزار احکام کا استنباط کیا۔ (۲)

غرض فقہی تفسیر کے موضوع پر مفسرین نے خاص توجہ دی اور اس فن میں بے شمار کتب تحریر کیں، اس فن پر باقاعدہ تصنیف وتالیف کا آغاز غالباً دوسری صدی کے وسط میں ہوا اور اب تک اس موضوع پر کم وبیش ایک سو دس تالیفات کا ذکر ملتا ہے، جن میں سے بعض چھپ چکی ہیں، بعض کے قلمی نسخے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں اور بعض زمانے کی دست برد میں کہیں کھوگئی ہیں اور ہم تک صرف ان کا نام ہی پہنچ سکا ہے، شاید "احکام القرآن" کے عنوان سے سب سے پرانی تالیف وہ ہے جو محمد بن سائب کلبیؒ (م ۱۴۶ھ) کی طرف منسوب ہے، کہا جاتا ہے انہوں نے آیات احکام کی تفسیر کے متعلق روایات حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہیں (۳) اس کے بعد اس موضوع پر تالیفات کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس میں امام مقاتل بن بشیر الخراسانی (م ۱۵۰ھ) کی تفسیر کے علاوہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کی احکام القرآن، امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الحنفیؒ (م ۳۷۰ھ) کی احکام القرآن، ابوالحسن علی بن محمد الکیاہراسیؒ الشافعی (م ۵۰۴ھ) کی احکام القرآن، محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) کی احکام القرآن، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) کی الجامع لاحکام القرآن، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی الاکلیل فی استنباط التنزیل، مقداد بن عبداللہ السیوریؒ (م ۸۲۶ھ) کی کنز العرفان فی فقہ القرآن، محمد علی السایس کی تفسیر آیات الاحکام، محمد علی الصابونیؒ کی روائع البیان فی تفسیر آیات الاحکام من القرآن اور دیگر بڑے بڑے ائمہ کی تحریر کردہ تفاسیر شامل ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں بھی اس موضوع پر کسی نہ کسی انداز میں کام ہوا ہے، اس سلسلے میں شیخ احمد بن ابوسعید المعروف ملا جیونؒ (م ۱۱۳۰ھ) کی تفسیرات احمدیہ، نواب صدیق حسن خان کی تفسیر نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) نے تفسیر مظہری، مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ) نے معارف القرآن، علامہ عبدالدائم جلالی رام پوریؒ نے بیان السبحان اور مولانا مفتی محمودؒ (م ۱۹۸۰ء) نے تفسیر محمود میں بھی قرآن حکیم کی بہت سی آیتوں سے فقہی احکام کا استنباط کیا ہے۔

احکام القرآن کے موضوع پر ایک اور نمایاں تفسیر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رہنمائی میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ)، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م ۱۳۹۵ھ)، مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۳۹۶ھ)، مفتی جمیل احمد تھانویؒ (م ۱۴۲۵ھ) مفتی عبدالشکور ترمذیؒ (م ۱۴۲۱ھ) کی تحریر کردہ "احکام القرآن" ہے، ذیل میں اس تفسیر کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

تاریخی پس منظر:۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ بمقام تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہندوستان، ۱۹ مارچ ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے اور ۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو انتقال کر گئے، مزار مبارک تھانہ بھون میں ہے، انہوں نے تعلیم تھانہ بھون اور دیوبند میں حاصل کی۔ وہ ایک ممتاز

فاضل، عالم دین اور صوفی تھے اور انہوں نے نہایت ہی مصروف زندگی گزاری۔ ان کے اشغال تعلیم و تدریس، وعظ، خطابت اور تصنیف و تالیف تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ یہ کتابیں زیادہ تر تفسیر، حدیث، منطق، کلام اور تصوف میں ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف میں تفسیر بیان القرآن اور بہشتی زیور شامل ہیں۔ (۴)

مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ نے اپنی آخری عمر میں اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ قرآن کریم تو ایک بحر نا پید کنار ہے، اس کی تفسیر میں ہر زمانہ کے علماء نے اپنے ماحول اور ضرورت کے مطابق جن مسائل کی اہمیت محسوس کی ہے، انہیں پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس زمانہ کی جدید ضروریات اور ماحول کے جدید تقاضوں کے پیش نظر ضرورت تھی کہ احکام قرآنی پر کوئی مفصل مدلل کتاب لکھی جائے اور خاص کر ایسی کتاب جو فقہاء احناف کے دلائل سے مدلل ہو۔ حکیم الامت شروع میں یہ کتاب خود لکھنا چاہتے تھے، لیکن عمر کے آخری حصے میں مصروفیات کی کثرت، بیماری اور ضعف کی وجہ سے آپ نے یہ کام چار علماء کرام مولانا ظفر احمد عثمانی''، مفتی محمد شفیع محمد ادریس کاندھلوی'' اور مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے سپرد کیا۔ شروع میں اس کا نام دلائل القرآن علی مسائل النعمان رکھا گیا، لیکن بعد میں اس کا نام احکام القرآن تجویز ہوا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''مولانا اشرف علی تھانوی'' جو برصغیر کے مشہور مفسر قرآن بھی ہے، انہیں یہ خیال ہوا کہ حنفی نقطہ نظر سے قرآن مجید کی کوئی جامع فقہی تفسیر نہیں ہے۔ ایسی فقہی تفسیر جس میں قرآن مجید کی شروع سے آخر تک مسلسل تفسیر بھی کی گئی ہو اور فقہاء احناف کے دلائل بھی اس میں تفصیل سے جمع کر دیے گئے ہوں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے تلامذہ کی جو اپنی اپنی جگہ جید عالم تھے، ایک ٹیم تیار کی اور قرآن مجید کے مختلف حصے ان کے ذمے لگائے کہ وہ اس کام کو کریں۔ اس ٹیم میں مولانا ظفر احمد عثمانی''، مولانا مفتی محمد شفیع''، مولانا محمد ادریس کاندھلوی'' اور مولانا مفتی جمیل احمد'' جیسے جید اہل علم شامل تھے۔ تقریباً ۶۰-۶۵ سال کے عرصے میں یہ کتاب مکمل ہو گئی، لیکن اس کے مختلف اجزاء الگ الگ شائع ہوئے۔ کچھ بعد میں کچھ پہلے۔ ماضی قریب میں اس کے آخری اجزاء بھی مکمل ہو گئے ہیں۔ اس میں پورے قرآن مجید کی فقہی تفسیر کو مکمل کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی احکام القرآن ہے۔ فقہاء احناف کا نقطہ نظر جو پہلے بہت سی کتابوں میں بکھرا ہوا اور منتشر تھا، اب بڑی حد تک ایک جگہ سامنے آ جاتا ہے، علمی اعتبار سے یہ ایک قابل قدر کام ہے''۔ (۵)

تفسیر احکام القرآن کے تکمیل کے مراحل:

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے منازل سبعہ کی ترتیب کے مطابق مذکورہ اصحاب کے ذمہ کتاب کی تالیف کا کام اس طرح تقسیم کیا۔

۱۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذمہ حزب اول و ثانی یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ التوبہ کے آخر تک۔

۲۔ مفتی جمیل احمد تھانوی'' کو حزب ثالث اور رابع یعنی سورۃ یونس سے سورۃ الفرقان کے آخر تک سپرد ہوا۔

۳۔ مفتی محمد شفیع'' کو حزب خامس اور سادس یعنی سورۃ الشعراء سے سورۃ الحجرات کے آخر تک سپرد ہوا۔

۴۔ علامہ محمد ادریس کاندھلوی، آپ کو حزب سابع یعنی سورۃ ق سے آخر قرآن کریم تک کا حصہ تفویض ہوا۔

ان حضرات نے علامہ تھانوی'' کی نگرانی میں کام شروع کیا، حضرت تھانویؒ اپنی وفات تک اس کام کی نگرانی اور تفسیر لکھنے میں ان حضرات کی رہنمائی کرتے رہے۔

۱۔ احکام القرآن للعثمانی :۔ علامہ ظفر احمد بن شیخ لطیف احمد عثمانیؒ تھانوی ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں دیوبند کے مشہور اساتذہ مثلاً حافظ غلام رسول اور مولانا نذیر احمد سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں مولانا محمد یسین سے اردو اور فارسی کی کتابوں کے علاوہ حساب اور ریاضی کی کتابیں پڑھنی شروع کی۔ بارہ سال کی عمر میں آپ دیوبند سے تھانہ بھون ماموں حکیم الامت کے پاس منتقل ہوئے اور یہاں پر مختلف علماء سے صرف و نحو، ادب، تجوید، مثنوی وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد آپ کانپور مدرسہ جامع العلوم چلے گئے اور یہاں پر آپ نے مولانا محمد اسحاق البردوانی اور مولانا محمد رشید کانپوری سے حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ کا علم حاصل کیا۔

یہاں سے شرعی اور عقلی علوم میں سند حاصل کرنے کے بعد آپ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے اور وہاں مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی درس حدیث میں شریک ہونے لگے۔ یہاں ۱۸ سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ میں اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سات سال تک درس دیتے رہے۔ اس کے بعد آپ امداد العلوم تھانہ بھون منتقل ہوئے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران آپ رنگون (برما) بھی تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ محمدیہ میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ پاکستان بننے سے قبل آپ ڈھاکہ یونیورسٹی (مشرقی پاکستان) تشریف لے گئے اور اس کے مدرسے میں حدیث و فقہ کا درس دیتے رہے، ڈھاکہ میں آپ نے آٹھ سال گزارے اور یہاں پر ایک مدرسے الجامعة القرآنیة العربیة کی بنیاد بھی ڈالی۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء آپ حیدرآباد کے قریب ٹنڈو اللہ یار کے دار العلوم الاسلامیہ منتقل ہوئے اور یہاں پر حدیث کی درس اور فتویٰ دینے کی خدمت سے وابستہ رہے۔ اسی مقام پر آپ نے ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء میں وفات پائی۔ تفسیر کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف درج ذیل ہیں۔

۱) اعلاء السنن (۲۰ جلد)

۲) القول المتين في الاخفاء بآمين

۳) شق الغين عن حق رفع اليدين

۴) فاتحة الكلام في القرأة خلف الامام

۵) رحمة القدوس في ترجمة بهجة النفوس

۶) كشف الدجى عن وجه الربا

۷) فاتحة الكلام في القرأة خلف الامام (۶)

احکام القرآن کے سلسلے میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذمہ قرآن کے حزب اول و حزب ثانی کا کام سپرد ہوا۔ حزب اول

یعنی سورۃ الفاتحہ سے سورۃ النساء کے آخر تک کی تالیف آپ نے ۱۳۵۴ھ میں شروع کی اور ۳۳ سالوں میں یعنی ۱۳۸۷ھ میں یہ کام مکمل ہوا۔ احکام القرآن کا یہ حصہ ۱۴۰۷ھ میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے تحت شائع ہوا۔ یہ حصہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے ۱۱۱۵ صفحات ہیں۔ اس حصہ کا پہلا جزء جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں سورۃ الفاتحہ سے لے کر اختتام سورۃ البقرہ تک کے حصہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں موضوعات کی ۴۴ صفحات پر مشتمل فہرست بھی دی گئی ہے، علاوہ ازیں ۳۷ صفحات پر مشتمل ترتیب فقہی ابواب کی فہرست دی گئی ہے۔ اس حصہ کا دوسرا جزء سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کی منتخب آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں کتاب کے آخر میں ۲۷ صفحات پر مشتمل موضوعات کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

اسلوب تفسیر:۔ فاضل مصنف کا انداز تفسیر یہ ہے کہ اکثر مقامات پر متعلقہ آیت یا آیات کا ایک جزء نقل کرتے ہیں اور پھر اس سے مستنبط احکام کی تفصیل بیان کرتے ہیں، جبکہ بعض مقامات پر متن آیت کو نقل کرنے کے بجائے سورۃ میں موجود آیات سے متعلق اہم فقہی مسائل کو بیان کرتے ہیں، مثلاً سورۃ الفاتحہ کی آیات نقل کرنے کے بجائے سورۃ الفاتحہ سے متعلق اہم مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں، یہاں پر جن مسائل کی آپ نے وضاحت کی ہیں، ان میں مقتدی کے لیے سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا، کیا نماز میں سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا فرض ہے؟ اور سورۃ الفاتحہ کی آیات کی تعداد، وغیرہ جیسے مسائل شامل ہیں۔(۷)

مولانا عثمانی نے اپنی تفسیر میں یہ اسلوب بھی اپنایا ہے کہ بعض مقامات پر کسی مسئلہ سے متعلق طویل بحث کرتے ہیں مسئلہ کی وضاحت کے لیے مختلف مفسرین اور محدثین وفقہاء کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں مثلاً المقالة الرضية في حكم سجدة التحية کے عنوان کے تحت فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے ضمن میں سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہیں، مسئلہ کی وضاحت کے لیے مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر تو اتفاق پایا جاتا ہے کہ عبادت کے طور پر غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا کفر ہے، البتہ سجدہ تعظیمی ان کے نزدیک فی نفسہ کفر نہیں ہے، اسی لیے سابقہ شریعتوں میں یہ جائز تھا، لیکن چونکہ یہ شرک کا ایک ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے، اس لیے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غیر اللہ کے لیے مطلق سجدہ کی ممانعت کی گئی ہے، اگرچہ اس میں عبادت کا قصد نہ ہو اور سابقہ امتوں میں موجود سجدہ تعظیمی کے جواز کو منسوخ کیا گیا ہے۔(۸)

ماخذ ومصادر:۔ فاضل مفسر نے اپنی تفسیر میں جن ماخذ سے استفادہ کیا ہے اور جن کے حوالہ جات درج کئے ہیں، ان میں تفاسیر میں سے تفسیر احکام القرآن للجصاص، تفسیر ابن العربی، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی، مفاتیح الغیب، المدارک، بیان القرآن، بیضاوی، تفسیر طبری، الدر المنثور للسیوطی، تفسیر احمدی، اور تفسیر مظہری۔ کتب حدیث میں سے صحاح ستہ کے علاوہ المنذری کی الترغیب والترھیب، المعجم للطبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، تدریب الراوی، سنن بیہقی، مصنف عبدالرزاق، فتح الباری، وفاء الوفاء، مجمع الزوائد، میزان الاعتدال، عمدۃ القاری للعینی، مسند احمد بن حنبل، اعلاء السنن، المنہاج للنووی، زیلعی، التمہید شرح موطا، طحاوی، الجوہر النقی، مشکل الآثار، نیل الاوطار، صحیح ابن

حبان، سنن دار القطنی، مشکوٰۃ المصابیح اور موطا امام مالک۔ فقہ واصول فقہ میں سے شرح المہذب، شاطبی، مجموعة الفتاوىٰ، المغنی، تلخیص، ردالمحتار شرح اکبر لابن قدامہ اور دیگر بہت سی کتابیں شامل ہیں۔ مصنف ان ماخذ کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کی جلد اور صفحہ نمبر کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

۲۔ **احکام القرآن للترمذی:۔** قرآن حکیم کی دوسری منزل یعنی از سورۃ المائدہ تا آخر سورت براءۃ کی تفسیر کا کام بھی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے سپرد ہوا تھا، لیکن اس منزل کو شروع کرنے سے قبل ہی آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی والد مفتی جمیل احمد تھانویؒ شیخ الحدیث ومدیر دار العلوم الاسلامیہ لاہور نے مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ جو اس وقت ساہیوال میں جامعہ حقانیہ کے مفتی اور مدیر تھے، سے استدعا کی کہ وہ منزل ثانی کی تالیف کا کام شروع کرے۔

مولانا عبد الشکور ترمذی کا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے بڑے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے، آپ کے والد مفتی عبد الکریم مولانا اشرف علی تھانویؒ کے عہد میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ مولانا سید عبد الشکور ترمذی مشرقی پنجاب (ہندوستان) کے ریاست پٹیالہ میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم وتربیت کی ابتدا بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی آغوش شفقت میں خانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ سے قرآن پاک حفظ وناظرہ، ریاضی، اردو، دینیات اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم سے ہوئی۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت حکیم الامت کی بابرکت مجلس عام وخاص میں بھی حاضری کی دولت اور حضرات طیبات سے استفادے کا موقع نصیب ہوا۔ پھر عربی وفارسی کی ابتدائی اور بعض متوسط کتب ہدایہ، جلالین وغیرہ تک اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا خلیل احمد کیرانوی جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور ۱۳۶۵ھ میں دار العلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کی۔ فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مدرسہ عربیہ راجپورہ میں ریاست پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں درس نظامی کی تدریس کرتے رہے، یہاں تک کہ پاکستان بن گیا اور آپ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں شہر کی قدیم جامع مسجد میں ایک مدرسہ قاسمیہ جاری کیا، جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے، اس کے ساتھ ساتھ خدمت افتاء بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا ترمذی نے جنوری ۲۰۰۱ء میں وفات پائی اور اسی قصبہ یعنی سرگودھا میں مدفون ہوئے۔

مولانا ترمذی نے ساری عمر تدریس وتبلیغ واصلاح اور تصنیف میں گزاری، متعدد علمی شاہکار آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئے اور سینکڑوں علمی اور اصلاحی مقالات شائع کرائے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف، رسائل، مضامین اور مقالات کی تعداد ۹۴ ہے، جبکہ غیر مطبوعہ ۴۰ ہیں، اس طرح آپ کی تصانیف کی کل تعداد ۱۳۴ ہے۔ آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں، تکملہ احکام القرآن عربی، ہدایۃ الحیران، بارہ مہینوں کے احکام، اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت، فتویٰ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت، سفر تھانہ بھون ودیوبند، حج کا آسان طریقہ اور تذکرہ حضرت مدنی وغیرہ۔(۹)

مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے اپنے استاد اور مرشد یعنی مولانا ظفر احمد عثمانی کے اس حصے کی تکمیل کی ذمہ داری لے لی۔ آپ نے ۱۴۰۸ھ میں اس منزل ثانی کی تالیف کا آغاز کیا اور ۱۴۱۳ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے، گویا آپ نے اس کی تالیف پانچ سالوں میں مکمل کی۔ مذکورہ حزب یعنی منزل ثانی کا جتنا حصہ اب تک شائع ہوا ہے، وہ تین اجزاء (جلدوں) پر مشتمل ہے، جزء اول میں آغاز سورۃ المائدہ سے لے کر آیت ۱۰ تک یعنی کل ۱۰ آیات کی تفسیر بیان ہوئی ہے، ان دس آیتوں کے ۱۴۳ اجزاء سے ۵۷۶ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کے آخر میں مولانا خلیل احمد تھانوی کی مرتب کردہ مصادر ومراجع کی مکمل فہرست بھی شامل کی گئی ہے، جن کی تعداد ۱۱۵ ہے، علاوہ ازیں کتاب کے بالکل اخیر میں موضوعات کی ایک جامع فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔ دوسری جلد سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱ سے لے کر اختتام سورت تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس طرح آیات الاحکام کے ۱۰۵ اجزاء کی تفسیر بیان ہوئی ہے اور ان اجزاء سے ۳۸۵ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب میں ۱۰۹ مصادر ومراجع کی فہرست بھی دی گئی ہے، علاوہ ازیں آخر میں موضوعات کتاب پر مشتمل ایک جامع فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

مذکورہ منزل ثانی کی تیسری جلد سورت الانعام اور سورت الاعراف کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورت الانعام کے آیات الاحکام سے متعلق ۱۲۸ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، ان اجزاء سے نکالے گئے مسائل کی تعداد ۲۹۰ ہے، اسی طرح سورت الاعراف کے آیات الاحکام کے ۱۸۹ اجزاء کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ۱۳۲ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ہے، گذشتہ جلدوں کی طرح یہاں بھی مصادر ومراجع اور موضوعات کی جامع فہرست دی گئی ہے، یہ تینوں جلدیں ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ لاہور کے تحت شائع ہوئی ہیں، مذکورہ منزل کی بقایا دو سورتوں یعنی سورت الانفال اور سورت التوبہ کی تفسیر زیر طباعت ہے۔

اسلوب:۔ مولانا ترمذیؒ کا اسلوب بھی یہ رہا ہے کہ وہ مولانا عثمانی کی طرح زیر مطالعہ آیت یا اس کا کچھ حصہ نقل کرنے کے بعد تفصیل سے تفسیری مباحث بیان کرتے ہیں، آپ آیت یا آیات کے ان حصوں کا متن نقل کرتے ہیں جن سے فقہی احکام کا استنباط ہوتا ہے، مسائل بیان کرنے کے ضمن میں وہ احادیث مبارکہ اور مفسرین وفقہاء کے اقوال درج کرتے ہیں اور ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد اکثر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں، مولانا ترمذیؒ نے جس تفصیل سے مسائل بیان کئے ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے سورۃ المائدہ کی ابتدائی دس آیات سے ۵۳۰ صفحات پر مشتمل ۵۷۶ مسائل کا استخراج کیا ہے۔

عقد کی پابندی سے متعلق آیت مبارکہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (۱۰) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں ہر قسم کے معاہدات اور وعدے شامل ہیں، چاہے وہ وعدے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے سے متعلق ہوں یا وہ معاہدات لوگوں کے آپس کے معاملات سے متعلق ہوں، اس آیت سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ خرید فروخت میں جب طرفین سے ایجاب وقبول کی تکمیل ہو جائے تو یہ ایک قسم کا معاہدہ ہے، جس کی پابندی آیت کی رو سے بائع اور مشتری ہر ایک پر لازم ہے، لہذا بائع اور مشتری میں سے کسی کو بغیر خیار شرط

اور خیار رویت وخیار عیب کے بیع کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، جبکہ امام شافعی کہتے ہیں کہ آیت میں موجود حکم عام ہے، اور حدیث نے اس کی تخصیص کی ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ المتبایعان بالخیار کل واحد منهما مالم یتفرقا۔ (۱۱) "خرید وفروخت کرنے والے کو سودا واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں" اس حدیث کی رو سے ان کے نزدیک جب خیار مجلس ثابت ہے تو جب تک مجلس عقد سے دونوں جدا جدا نہ ہو جائیں، خیار باطل نہیں ہوتا۔ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث خیار قبول پر محمول ہیں نہ کہ خیار مجلس پر اور اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں بیع (ایجاب وقبول) کے وقت بیع کرنے والے ہوتے ہیں، بیع کی تکمیل کے بعد نہیں۔ اس لیے اسے قرآنی حکم کے تقاضا کے برخلاف محمول نہیں کیا جاسکتا اور حدیث میں جدا ہونے سے مراد گویا کلام سے جدا ہونا مراد ہے (یعنی جب ایجاب وقبول ہو گیا تو فریقین ایک دوسرے سے کلام کے اعتبار سے جدا ہو گئے) جسمانی جدائی مراد نہیں، وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرے کہ حدیث میں جسمانی جدائی مراد ہے تو حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ خیار مجلس مستحب ہوگا نہ کہ واجب۔ (۱۲)

ماخذ ومصادر:۔ مولانا نے اپنی کتاب کی تالیف میں جن کتب کو مصدر وماخذ بنایا ہے اس کی فہرست کافی طویل ہے سب سے زیادہ استفادہ جصاص کی احکام القرآن سے کیا ہے، اس کے علاوہ علامہ ظفر احمد عثمانی کی احکام القرآن، ابن العربی کی احکام القرآن، الاکلیل فی استنباط التنزیل للسیوطی، تفسیر جلالین، تفسیر ابن کثیر، تفسیرات الاحمدیہ، تفسیر مظهری، تفسیر روح البیان، تفسیر بحر المحیط اور الجامع لاحکام القرآن وغیرہ تفاسیر کو ماخذ بنایا ہے، جبکہ حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ معجم طبرانی، مسند احمد، سنن بیهقی، سنن دارقطنی اور مشکوۃ المصابیح وغیرہم سے استفادہ کیا ہے، اسی طرح فقہ میں بدائع الصنائع، البحر الرائق، البنایہ، تبیین الحقائق، الدر المختار، ردالمحتار، شرح الوقایہ، فتح القدیر، کتاب المبسوط، کتاب الام، المغنی اور الهدایہ وغیرہ سے بکثرت استفادہ کیا ہے۔

۳۔ احکام القرآن للشیخ جمیل احمد تھانوی :۔ قرآن حکیم کی منزل ثالث یعنی از سورۃ یونس تا آخر سورۃ نحل اور منزل رابع یعنی سورۃ بنی اسرائیل تا آخر سورۃ الفرقان کی تالیف کی ذمہ داری شیخ جمیل احمد تھانوی کے سپرد ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب غالباً ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کے لگ بھگ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم راجپور ضلع سہارنپور میں شروع ہوئی، اسکول کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی، بقایا ساری تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مکمل کر کے ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے نہ صرف باقاعدہ علمی استفادہ اور کسب فیض کیا تھا، بلکہ ان دونوں جلیل القدر شخصیات کی صحبت بابرکت اور فیض تربیت سے اپنے آپ کو منور کیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے تھانہ بھون منتقل ہوئے تھے اور ۱۳۶۲ھ یعنی مولانا اشرف علی تھانویؒ کے انتقال تک وہیں مقیم رہے، یہی وہ زمانہ تھا جب آپ نے احکام القرآن کی تصنیف کا کام شروع کیا۔ حکیم الامت کے انتقال کے بعد مفتی صاحب پاکستان آئے اور یہاں لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاد آپ کا تقرر ہوا۔ اپنی

زندگی کے آخری لمحات تک آپ یہیں مقیم رہے، اور فتویٰ دینے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ دسمبر ۱۹۹۴ء موافق ۱۴۲۵ھ آپ کا انتقال ہوا، آپ کے انتقال کے ساتھ ہی ایک پوری نسل اور قرن کا خاتمہ ہوگیا، کیونکہ اس وقت برصغیر میں مفتی صاحب غالباً وہ واحد عالم دین تھے، جنہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے علمی استفادہ اور روحانی تربیت حاصل کی تھی۔ (۱۳)

آپ کی اہم تصنیفات درج ذیل ہیں:

منہج الدراسة للمدارس والجامعات الاسلامیه، اظهار الطرب علی اشعار ازهار العرب، حلیة اللحیة، شرح بلوغ المرام من ادلة الاحکام لابن حجر عسقلانی، الحاوی علی الطحاوی، دعوة الی التجارة، شاتم الرسول ﷺ وعقوبته فی الشریعة، وجوب حد الرجم، دلائل علی وجوب الاضحیة، دلائل القرآن علی مسائل النعمان (احکام القرآن)(۱۴)

شیخ جمیل احمد تھانوی ؒ نے اپنے حصے کی دونوں حزبوں یعنی حزب ثالث اور رابع میں سے حزب ثالث کی تالیف کا کام ۱۳۶۱ھ میں حکیم الامت کی زندگی ہی میں شروع کیا تھا اور ہجرت پاکستان سے قبل ۱۳۷۰ھ میں حزب ثالث کی تالیف مکمل کی۔ اس نسخ کی اشاعت میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ مفتی صاحب نے اس تحریر شدہ مسودہ پر حضرت تھانویؒ سے حاصل کردہ مزید فوائد اور استنباطات حواشی کی شکل میں تحریر کیے تھے، جس کی وجہ سے مسودہ کے پڑھنے میں مشکلات پیش آرہی تھی، اس لئے تبییض کی ضرورت پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ آپ کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد تھانوی نے ۱۴۱۳ھ میں اس کی تبییض کا کام شروع کیا اور تین سالوں میں اس کام کو مکمل کیا، اس طرح ۱۴۱۹ھ میں تقریباً ۵۰ سال کے بعد ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت اس کی اشاعت ممکن ہوئی۔

حزب ثالث کا یہ حصہ تین اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلے جزء میں سورۃ یونس کی ۲۰ آیتوں سے ۱۵۵ مسائل نکالے گئے ہیں۔ جزء ثانی سورۃ ھود کی تفسیر پر مشتمل ہے، اس جزء میں سورۃ ھود کی ۱۲۰ آیتوں میں سے ۲۲۹ مسائل نکالے گئے ہیں۔ تیسرے جزء کی تفصیل اس طرح ہے کہ سورۃ یوسف کی ۳۱ آیتوں میں ۳۵ مسائل، سورۃ الرعد کی دو آیات میں سے دو ہی مسائل، سورۃ ابراہیم کی دو آیات سے بھی دو مسائل، سورۃ الحجر کی چھ آیت سے چھ اور سورۃ النحل کی ۳۱ آیات سے ۴۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔ تینوں اجزاء کی صفحات کی تعداد ۱۱۷۵ ہے۔

حزب رابع یعنی از آغاز سورۃ بنی اسرائیل تا آخر سورۃ الفرقان کی تالیف کا کام ہجرت پاکستان اور تدریسی وفتاوی کی مصروفیت کی وجہ سے چونکہ منقطع ہوگیا تھا، اس لیے مفتی صاحب نے ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء میں دوبارہ شروع کیا، باوجودیکہ آپ ضعیف اور مریض تھے، اور آپ کی عمر اس وقت ۸۵ سال تھی، لیکن متواتر محنت کرکے چھ سالوں میں اس کی تالیف مکمل کی اور اس طرح ۱۴۱۳ھ میں آپ اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ مذکورہ حزب یعنی منزل رابع کا جتنا حصہ اب تک ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث

اسلامیہ کے تحت شائع ہوا ہے وہ دو اجزاء (جلدوں) پر مشتمل ہے، جزء اول میں سورت الاسراء اور سورۃ الکہف کی تفسیر بیان ہوئی ہے، سورۃ الاسراء کی آیات الاحکام کے ۱۵۱ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، جن سے ۲۰۵ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، اسی طرح سورۃ الکہف کے احکام سے متعلق آیات کے ۱۶۳ اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے، جن سے ۲۶۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۴۷ صفحات پر مشتمل ہے، اسی طرح جزء ثانی سورت مریم اور سورۃ طٰہٰ کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ مریم کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۷۵ ہے، ان سے ۲۶۱ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ طٰہٰ کے احکام سے متعلق جن اجزاء کی تفسیر بیان کی گئی ہے ان کی تعداد ۶۷ ہے، ان اجزاء سے ۲۷۷ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، یہ جلد کل ۴۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

حزب رابع کی جزء ثالث سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ الانبیاء کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۳۲ ہے، ان سے ۱۱۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ الحج کے اجزاء آیات الاحکام کی تعداد ۳۸ ہے اور ان سے مسائل مستخرجہ کی تعداد ۱۸۹ ہے، یہ جزء ثالث ۵۳۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارۃ اشرف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت ۱۴۳۱ھ میں شائع ہوا ہے۔

اسی طرح حزب رابع کا چوتھا جزء سورۃ المومنون، سورۃ النور اور سورۃ الفرقان کی تفسیر پر مشتمل ہے، سورۃ المومنون کی آیات الاحکام کی تعداد ۲۳ ہے، جن سے ۲۰ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، جبکہ سورۃ النور کی آیات الاحکام کی تعداد ۱۹ ہے، جن سے ۱۳۲ مسائل نکالے گئے ہیں اور سورۃ الفرقان کی آیات الاحکام کی تعداد ۲۱ اور مستنبط شدہ مسائل کی تعداد ۱۷ ہے، یہ جلد (جزء) ۳۵۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ادارہ اشرف التحقیق لاہور کے زیر اہتمام ۱۴۳۳ھ میں شائع ہوا ہے۔

اسلوب:۔ دیگر مؤلفین کی طرح مفتی صاحب کا انداز بھی یہ کہ آیت قرآنی نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق مسائل واحکام ذکر کرتے ہیں، مفتی صاحب کا تالیف کردہ یہ حصہ دیگر حصص کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ضخیم ہے اور اس میں مفتی صاحب نے فقہی احکام کے علاوہ دیگر علوم و نکات بھی مفصل بیان کیے ہیں۔

قرآنی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۱۵) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت ظاہری طور پر اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر خوشی منانا واجب ہے، جبکہ قرآن حکیم کی دیگر آیات مثلاً لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۱۶) سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ فرح وخوشی کا چونکہ اس دنیا میں جگہ نہیں، اس لیے یہاں پر خوشی منانا جائز نہیں، گویا یہاں پر بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔ مفتی صاحب نے متعدد مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد اس تعارض کو دور کیا ہے، انہوں نے اس تعارض کا ایک جواب فخر الدین رازی کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ جہاں خوش ہونے کو منع فرمایا ہے وہاں خوشی کا تعلق متاع دنیا سے ہے اور جہاں خوش ہونے کا حکم دیا ہے وہاں خوشی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ہے، دوسرا جواب مفتی صاحب نے اپنی طرف سے یہ دیا ہے کہ دنیوی نعمتوں کے حصول پر ایسی خوشی منانا جائز نہیں جس میں فخر وغرور، ظلم اور سرکشی شامل ہو، ظاہر ہے جس خوشی میں یہ چیزیں شامل ہوں تو وہ مذموم ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دنیوی نعمت کو آخرت کے لیے کھیتی سمجھ کر اس سے کام لیا جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، تو یقیناً اس مقام پر خوشی منانا جائز

اورمحمود ہے۔(۱۷)

ماخذ و مصادر:۔ مفتی صاحب نے جن علمی کتب کو اپنی تفسیر کا ماخذ و مصدر بنایا ہے، اس کی فہرست اس کے بیٹے خلیل احمد تھانوی نے مرتب کیا ہے، یہ جامع فہرست کتاب کے آخر میں شامل ہے، ان مصادر کی تعداد ۸۶ ہے، نیز موضوعات کتاب کی ایک مکمل فہرست بھی درج کی گئی ہے۔ اہم مصادر و مراجع کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

احکام القرآن لابن العربی ،احکام القرآن للجصاص ،الاحکام فی اصول الاحکام لآمدی، تفسیر ابی سعود، احیاء علوم الدین، اشعة اللمعات لامام عبدالحق، الاکلیل فی استنباط التنزیل للسیوطی، امداد لفتاویٰ للتھانوی، البحر الرائق لابن نجیم، بدائع الصنائع للکاسانی، بدایة المجتهد لابن رشد، بذل المجهود للشیخ خلیل احمد، بوادر النوادر للتھانوی، تفسیر بیان القرآن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح البیان، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری، تفسیر ابن عباس، تفسیر جریر طبری، الدرا لمنثور، ردالمحتار علی الدر المختار، روح المعانی، اور تفسیر کبیر وغیرہ۔

۴۔ احکام القرآن ،مفتی محمد شفیع :۔ قرآن حکیم کی منزل خامس (از سورۃ الشعراء تا آخر سورۃ یٰسٓ) اور منزل سادس (از سورۃ الصافات تا آخر سورۃ الحجرات) کی تفسیر مفتی محمد شفیعؒ کے سپرد ہوئی۔ مفتی محمد شفیع بن مولانا محمد یسین ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء کو دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۵ھ میں درسیات ختم کیں۔ ۱۳۳۶ھ میں دارالعلوم میں فنون کی چند اعلیٰ کتب کی تعلیم کے ساتھ ابتدائی کتب کا درس دینا شروع کیا۔ ۱۳۶۲ھ میں صدر مفتی بنا دیے گئے۔ آپ نے سب سے پہلے شیخ الہند مولانا محمود حسن کے دست مبارک پر بیعت کی تھی اس کے بعد حکیم الامت کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کیا اور کافی عرصے بعد ان کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی۔ ۱۳۶۲ھ تک سترہ سال مسلسل تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے ساتھ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو پاکستان کی حدود میں قدم رکھا۔ یہاں متفقہ دستور اسلامی کی جدوجہد کی اور علوم دینیہ کو پھیلانے کا پروگرام دارالعلوم کراچی کے ذریعہ بنایا۔ آپ نے ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ بمطابق ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو وفات پائی۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہیں جن میں اہم تصانیف تفسیر احکام القرآن، معارف القرآن ،جواهر الفقه، ختم النبوة، سیرة خاتم الانبیاءؐ ،آلات جدیده، احکام الاراضی، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، هدیة المهدیین فی آیات ختم النبیینؐ، ثمرات الاوراق وغیرہ شامل ہیں۔(۱۸)

مفتی محمد شفیع نے حکیم الامت کی زندگی میں اس حصے کی تالیف کا کام شروع کیا تھا، لیکن حکیم الامت کی وفات سے قبل آپ صرف سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص کی بعض آیات کی تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ اس کے بعد ۱۳۸۸ھ میں تقریباً ۳۲ سال کی طویل

مدت میں آپ نے ان دونوں منزلوں کی تفسیر و تالیف کا کام مکمل کیا اور ۱۴۰۷ھ میں یہ حصہ دو جلدوں میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے تحت شائع ہوا۔ دونوں جلدوں کی صفحات کی تعداد ۸۵۲ ہے۔ پہلی جلد میں جن سورتوں کے منتخب آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے، اُن میں سورة الشعراء، سورة النحل، القصص، العنكبوت، الروم، لقمان، السجدة، الاحزاب، سبا، فاطر اور سورة يس شامل ہیں۔ یہ جزء ۵۵۱ صفحات ہے۔ دوسری جلد میں درج ذیل سورتوں کے آیات منتخبہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

سورة الصفت، سورة ص، الزمر، المؤمن، فصلت، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثيه، الاحقاف، محمد، الفتح اور سورة الحجرات۔

اسلوب:۔ مفتی محمد شفیعؒ کیونکہ بنیادی طور پر فقیہ و مفتی ہیں، اس لیے ان کے حصہ میں فقیہانہ اسلوب غالب ہے، مفتی صاحب نے جو تفسیری اسلوب برقرار رکھا ہے وہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے اسلوب سے ملتا جلتا ہے، مفتی صاحب کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ متن آیت یا آیات کو نقل کرتے ہیں، بعض مقامات پر آیت میں موجود بعض مشکل الفاظ کی لغوی تشریح بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (۱۹) میں اَلْقِسْطَاس کی لغوی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ اصل میں رومی لفظ ہے جس کا معنی عدل کے ہیں، یہ مجاہد سے مروی ہے اور بعض نے عربی لفظ "قسط" سے ماخوذ قرار دیا ہے (جس کے معنی بھی انصاف کے ہیں) اور یہ "فعلاع" کے وزن پر ہے اور بعض کے نزدیک یہ "قسطس" سے نکلا ہے جو رباعی ہے اور جس کا وزن "فعلال" ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہاں وزن کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں کمی سے منع کیا گیا ہے، لیکن وزن میں زیادتی سے منع نہیں کیا گیا۔(۲۰)

مفتی صاحب آیات منتخبہ سے مستنبط شدہ مسائل کو بیان کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تفصیلی دلائل نقل کرتے ہیں، بلکہ بعض مقامات پر باقاعدہ عنوانات قائم کر کے اُن پر تفصیلی بحث کرتے ہیں، مثلاً كشف الريب عن علم الغيب(۲۱) الاستبانة لمعنى السبب والاعانة(۲۲) تكميل الحبور بسماع القبور(۲۳) الناهي عن الملاهي(۲۴) كشف الغناء عن وصف الغناء(۲۵) تفصيل الخطاب في آيات الحجاب(۲۶) تنقيح الكلام في احكام الصلوٰة والسلام(۲۷) ثبوت عذاب القبر بالكتاب والسنة(۲۸) عين الاصابة في مقام الصحابة(۲۹) موقف اهل الانابة فی مشاجرات الصحابةؓ (۳۰) اور یہ عنوانات اس لئے قائم کئے ہیں تاکہ علیحدہ رسالہ کی شکل میں ان کی اشاعت آسان ہو۔

قرآنی آیت وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ (۳۱) سے ایک فقہی حکم کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے، اس لیے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے، جبکہ متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے، تاکہ امت پر علم اور تعلیم کا دروازہ بند نہ ہو، کیونکہ علماء کا نفقہ بیت المال سے دینا لازم ہے جس پر عرصے سے عمل نہیں ہو رہا، اب اگر علماء معاش کے کمانے میں مشغول ہو جائیں تو مدارس اور مکاتب ضائع ہوں گے، اس لیے

تفسیر الکشاف، روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربی، تفسیر ابن کثیر، الدر المنثور، تفسیر ابن جریر، معجم مفردات القرآن، الترغیب والترھیب للمنذری، فتح الباری، عمدۃ القاری، المستدرک للحاکم، الشفاء للقاضی عیاض، التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح، نیل الاوطار، نصب الرایۃ، نوادر الاصول لحکیم الترمذی، شرح الصدور للسیوطی، کنز العمال، تذکرۃ الموضوعات، الدر المختار، رسائل ابن عابدین، احیاء العلوم للغزالی، الاعتصام للشاطبی، فتح القدیر لابن الھمام، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی ھندیہ، بحر الرائق، الھدایہ للمرغینانی، اور المبسوط للسرخسی وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) احکام القرآن: محمد ادریس کاندھلوی: قرآن حکیم کی منزل سابع (از سورۃ ق تا آخر قرآن حکیم) کی تفسیر کا کام مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سپرد ہوا تھا۔ شیخ محمد ادریس بن حافظ محمد اسمٰعیل کاندھلوی ہندوستان کے شہر کاندھلہ میں ۱۳۱۸ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، اپنے عمر کے نوے سال یعنی بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن حفظ کیا تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون میں داخلہ لیا اس مدرسے میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے۔ ۱۹ برس کی عمر میں یہاں سے سند فراغ حاصل کی، پھر مکرر دورہ حدیث کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ یہاں سے دوبارہ دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانویؒ شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی عزیز الرحمن وغیرہ شامل ہیں۔ تعلیم کے حصول کے بعد ایک سال تک آپ مدرسہ امینیہ دھلی میں پڑھاتے رہے، یہاں ایک سال قیام کے بعد دار العلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی۔ یہاں نو سال آپ دیوبند سے وابستہ رہے۔ اس کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر آپ حیدرآباد دکن منتقل ہوئے اور کم و بیش نو سال ہی یہاں آپ کا قیام رہا۔ یہاں پر آپ نے اپنی مشہور کتاب التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح تصنیف کی۔ اس کے بعد آپ علامہ شبیر احمد عثمانی کے اصرار پر واپس دار العلوم دیوبند آئے اور یہاں پر شیخ الحدیث کی حیثیت سے دس سال تک درس دیتے رہے، پاکستان بننے کے دو سال بعد ۱۹۴۹ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے منسلک ہوئے اور اپنی وفات تک مقیم رہے۔ آپ نے رجب ۱۳۹۴ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء وفات پائی۔ (۴۲)

آپ کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں:

مقدمہ صحیح بخاری، الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ الغیر المخلوق، سلک الدرر شرح ثانیۃ القضاء والقدر، الباقیات الصالحات شرح حدیث انما الاعمال بالنیات، تحفۃ الاخوان شرح حدیث شعب الایمان، شرح مقامات حریری، شرح

متاخرین نے بحالت مجبوری تعلیم پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ (۳۲)

مفتی صاحب کے اسلوب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض مقامات پر کسی حکم شرعی کے اثبات کے لیے بہت سی احادیث نقل کرتے ہیں، مثلاً قرآنی آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (۳۳) کے تحت پردے کے احکام بیان کرتے ہوئے ستر ہ احادیث نقل کرتے ہیں۔ (۳۴)

آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۵) کی تشریح کرتے ہوئے جہاں آپ نے صلوۃ وسلام کے تفصیلی احکام بیان کئے ہیں، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے درج ذیل مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے:

۱۔ کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حمد و ثناء کے بعد۔

۲۔ دعا کے اول و آخر میں۔

۳۔ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت۔

۴۔ اذان اور وضو کے بعد۔

۵۔ آپ ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کے موقع پر۔

۶۔ کتب اور خطوط کے آغاز میں بسم اللہ اور حمد کے بعد۔

۷۔ تہجد کے لیے نیند سے اٹھنے کے وقت، اور

۸۔ حادثات و آفات کے پیش آنے کے وقت آپ پر درود بھیجنا مستحب ہے۔ (۳۶)

مفتی صاحب کے تفسیری اسلوب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے قرآن و حدیث سے تفصیلی دلائل پیش کرتے ہیں، اس کے ساتھ وہ منکرین کے مختلف شبہات ذکر کرکے نقلی اور عقلی دلائل کے ساتھ ان کا رد بھی کرتے ہیں، مثلاً آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ (۳۷) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے عذاب قبر سے متعلق تفصیلی دلائل دیے ہیں اور اس کے بعد منکرین کے شبہات ذکر کرکے ان کا تفصیلی رد بیان کیا ہے اور اس کو ایک مستقل عنوان ثبوت عذاب القبر بالکتاب والسنۃ کا نام دیا ہے۔ (۳۸)

مفتی صاحب کے اسلوب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض مقامات پر وہ عصر حاضر کے جدید مسائل پر بھی گفتگو کرتے ہیں، مثلاً قرآنی آیت وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ (۳۹) اور آیات وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ الی قولہ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (۴۰) کی تشریح کرتے ہوئے اسلام کے معاشی اصولوں پر تفصیلی بحث کرتے ہیں اور اس ضمن میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے اصولوں پر مبنی معاشی نظام کا رد بھی بیان کرتے ہیں۔ (۴۱)

ماخذ و مصادر: آپ نے جن ماخذ و مصادر کو اپنی تفسیر کا بنیاد بنایا ہے، ان کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں اہم ماخذ و مصادر حسب ذیل ہیں:

البیضاوی، تفسیر معارف القرآن (۵ جلدیں) التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح ،علم الکلام، سیرۃ المصطفیٰ ﷺ وغیرہ۔

مفسر موصوف نے اپنے حصے کی تفسیر کا آغاز حکیم الامت کی زندگی میں کیا اور ۱۳۶۳ھ میں اس کی تالیف مکمل کی۔ یہ حصہ بھی ادارۃ القرآن کراچی کے زیر اہتمام ۱۴۰۷ھ میں شائع ہوا۔ یہ ایک جلد پر مشتمل ہے اور اس کے ایک سو بیس صفحات ہیں۔ یہ حصہ علیحدہ جلد کی صورت میں شائع نہیں ہوا ہے، بلکہ حزب سادس (مؤلف مفتی محمد شفیعؒ) کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوا ہے۔

اسلوب:۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے حزب سابع کی تمام سورتوں کی تفسیر نہیں لکھی ہے، بلکہ بعض سورتوں کو چھوڑ دیا ہے، مثلاً سورۃ التغابن، سورۃ الملک، سورۃ القلم اور سورہ الحاقہ۔ آپ کی تفسیر کا انداز یہ ہے کہ سورتوں کے آغاز ہی میں اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ کتنی آیات کی آپ نے تفسیر بیان کی ہے اور ان آیات سے کتنے مسائل کا استخراج کیا ہے۔ سب سے زیادہ ۲۸ مسائل سورۃ المجادلہ میں بیان ہوئے ہیں، جبکہ دیگر سورتوں میں ایک سے لے کر ۱۵ تک مسائل کا استخراج کیا گیا ہے۔

مولانا کا تالیف کردہ یہ حصہ دیگر مؤلفین کی تالیف کردہ حصوں کے مقابلے میں بہت مختصر ہے، جس طرح اردو زبان میں آپ کے تالیف کردہ تفسیر قرآن "معارف القرآن" پر محدثانہ اور متکلمانہ اسلوب غالب ہے، اسی طرح یہاں بھی مولانا کا اسلوب محدثانہ اور متکلمانہ ہے۔ مولانا لغوی بحث بہت کم کرتے ہیں، البتہ بعض مقامات پر الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے اسباب نزول بھی بیان کرتے ہیں (۴۳)۔

مولانا کاندھلوی کی تالیف کردہ تفسیر کا یہ حصہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن بعض مقامات پر متعلقہ مسائل تفصیل سے بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً ظہار سے متعلق قرآنی آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا. اِلٰی قوله .وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۴۴) کی تشریح کرتے ہوئے ظہار اور کفارہ ظہار سے متعلق سترہ مسائل بیان کرتے ہیں۔ (۴۵) مولانا کاندھلوی کسی شرعی حکم سے متعلق فقہاء کے اختلاف کی صورت میں ائمہ اربعہ کے اقوال اور مسالک بھی بیان کرتے ہیں اور پھر احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے اس کی تائید میں بعض احادیث بھی نقل کرتے ہیں، بہر حال تفسیر کا یہ حصہ مختصر ہونے کے باوجود بعض مفید خصوصیات کا حامل ہے۔

مصادر و مآخذ:۔ فاضل مصنف نے اپنی تفسیر میں جن مصادر و مراجع کو بنیاد بنایا ہے، ان میں کتب حدیث کے علاوہ تفاسیر میں سے الاکلیل فی استنباط التنزیل للسیوطی، احکام القرآن للجصاص، روح المعانی للآلوسی، تفسیر احمدی، تفسیر کبیر للرازی، احکام القرآن لابن العربی شامل ہیں، جبکہ دیگر کتابوں میں فتح الباری، التمهید لابی الشکور السالمی، بهجة النفوس، احیاء العلوم للغزالی، الحجة اللّٰه البالغه اور بدایة المجتهد وغیرہ شامل ہیں۔

تکملہ الحزب السابع: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے چونکہ حزب سابع کی تفسیر دیگر احزاب کی تفاسیر کے مقابلے میں بہت اختصار سے لکھا ہے، اس لئے ضرورت اس امر کی تھی کہ اس حزب کی مزید تفسیر بیان کی جائے اور جدید مباحث بھی

شامل کیے جائیں، تاکہ یہ تفسیر بھی دیگر تفاسیر اور حکیم الامت کے منہج اور انداز تفسیر کے مطابق بن جائے، اس لئے مولانا مشرف علی تھانوی کی درخواست پر مولانا عبدالشکور ترمذیؒ (جس نے دوسرے حزب کی تفسیر مکمل کی تھی) نے اس حزب سابع کا تکملہ لکھا۔ فاضل مصنف نے ایسی بہت سی آیات سے مسائل کا استخراج کیا ہے، جنہیں مولانا کاندھلوی نے چھوڑ دیے تھے اور بعض مقامات پر مفید فوائد بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ تکملہ ۱۵۱ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ ادارہ اشراف التحقیق والبحوث الاسلامیہ کے تحت اشاعت کے مراحل سے گزر رہا ہے۔

فهارس احکام القرآن:۔ تفسیر احکام القرآن جو فقہی، کلامی، ظاہری اور باطنی ایسے مسائل پر مشتمل ہیں جن کا قرآن حکیم سے استنباط کیا گیا ہے، جس وقت یہ تفسیر مکمل ہوئی تو شیخ مشرف علی تھانوی نے ارادہ کیا کہ ان تمام اجزاء کی ایسی فہرست مرتب کی جائے جو فقہی ابواب کی ترتیب پر مشتمل ہو تاکہ علماء، فقہاء اور مفتی حضرات کے لئے ان سے استفادہ کرنا آسان ہو۔ اس لئے مولانا مشرف علی تھانوی کی ہدایت پر اس کے دوسرے بھائی مولانا قلیل احمد تھانوی نے درج ذیل پانچ جدول پر مشتمل ایک فہرست مرتب کی:

۱۔ جدول اول میں فقہی ابواب کی ترتیب پر ان مسائل کے عنوانات تحریر کئے گئے ہیں جو قرآنی آیات سے نکالے گئے ہیں۔

۲۔ جدول ثانی میں جن آیات سے مذکورہ مسائل کا استخراج کیا گیا ہے، ان کے نمبر اور ساتھ ہی ان کے سورتوں کے نمبر لکھے گئے ہیں۔

۳۔ جدول ثالث میں قرآن حکیم کے منازل سبعہ کے نمبر لکھے گئے ہیں۔

۴۔ جدول رابع میں ان منازل کے جلدوں کے نمبر تحریر شدہ ہیں۔

۵۔ جدول خامس میں اس جلد کا صفحہ نمبر دیا گیا ہے جس صفحہ میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کی ہدایات کی روشنی میں لکھی جانے والی اس تفسیر کا اختصار سے جائزہ لینے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ "احکام القرآن" یا "فقہ القرآن" کے موضوع پر لکھی جانے والی تفاسیر میں یہ ایک نہایت عمدہ اضافہ ہے اور چونکہ یہ کسی ایک فرد کی علمی و فکری کاوش کا نتیجہ نہیں، بلکہ علماء مفسرین و محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا تالیف کردہ ہے، اس لیے ان علماء کی طرف سے ملت اسلامیہ کے لیے یہ ایک نہایت علمی تحفہ ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے ایک ادارہ ایک نئے ترتیب سے یکجا شائع کریں، تاکہ قارئین اور محققین کے لیے اس سے استفادہ کرنا اور آسان ہو۔

حوالہ جات

۱۔ الزرکشی، محمد بن عبداللہ، البرهان فی علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۲:۲
۲۔ غازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۲۰۱
۳۔ فاروقی، محمد یوسف، پیش لفظ تفسیر قرطبی (اردو ترجمہ) اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ۱: xviii

۴۔ فیوض الرحمن، تعارف قرآن، لاہور، مکتبہ مدینہ، ص ۳۶۶ ـ ۳۶۸

۵۔ غازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، ص ۲۳۶، ۲۳۷

۶۔ شیخ ابو الفتاح، مقدمہ احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۱/۱، الف۔د

۷۔ عثمانی، ظفر احمد، احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۱/۱: ۶، ۹

۸۔ ایضاً، ۱: ۱۸، ۲۵

۹۔ محمد اکبر شاہ، بیس علماء حق، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص ۶۳۵ ـ ۶۵۶

۱۰۔ المائدۃ، ۵: ۱

۱۱۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا

۱۲۔ ترمذی، عبدالشکور، احکام القرآن، لاہور، ادارہ اشرف التحقیق و البحوث الاسلامیہ، ۱۴۲۳ھ، ۱: ۴، ۹

۱۳۔ محمود اشرف عثمانی، مفتی جمیل احمد کا انتقال ایک قرن کا اختتام، ماہنامہ البلاغ، کراچی، ۳۸: ۹، جنوری ۱۹۹۸، ص ۱۵ ـ ۳۶، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بیس علماء حق، ۵۲۵ ـ ۵۳۳

۱۴۔ محمد الغزالی، مقدمۃ احکام القرآن لجمیل احمد تھانوی، لاہور، ادارۃ اشرف التحقیق و البحوث الاسلامیہ، ۱۴۱۹ھ، ۱: ۴۳

۱۵۔ یونس، ۱۰: ۵۸

۱۶۔ القصص، ۲۸: ۷۶

۱۷۔ تھانوی، جمیل احمد، احکام القرآن، ۱: ۲۷۹، ۲۸۴

۱۸۔ تفصیل حالات کے لئے ملاحظہ ہو، محمد تقی عثمانی، مقدمہ احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱: ۱۳ ـ ۱۹

۱۹۔ الشعراء، ۲۶: ۱۸۴

۲۰۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۱۰

۲۱۔ ایضاً، ۳: ۳۳، ۹۳

۲۲۔ ایضاً، ۳: ۷۳، ۸۳

۲۳۔ ایضاً، ۳: ۱۹۳، ۱۸۳

۲۴۔ ایضاً، ۳: ۱۸۹، ۲۰۲

۲۵۔ ایضاً، ۳: ۲۰۳، ۲۹۰

۲۶۔ ایضاً، ۳: ۳۹۳، ۳۸۳

۲۷۔ ایضاً، ۳: ۳۸۲، ۳۹۵

۲۸۔ ایضاً، ۳: ۷۷، ۱۱۷

۲۹۔ ایضاً، ۳: ۲۲۵، ۲۳۲

۳۰۔ ایضاً، ۳: ۲۵۸، ۲۷۳

۳۱۔ الشعراء، ۲۶: ۱۰۹

۳۲۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۸

۳۳۔ الاحزاب، ۳۳: ۵۳

۳۴۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۳۳۰، ۳۵۳

۳۵۔ الاحزاب، ۳۳: ۵۶

۳۶۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۲۹۰، ۲۹۱

۳۷۔ مؤمن، ۴۰: ۳۹

۳۸۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۷۷، ۱۱۷

۳۹۔ الشوریٰ، ۴۲: ۲۷

۴۰۔ الزخرف، ۴۳: ۳۱، ۳۲

۴۱۔ مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، ۳: ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۷۳، ۱۸۰

۴۲۔ بیس علماء حق، ۱۹۷ ـ ۲۰۵

۴۳۔ کاندھلوی، محمد ادریس، احکام القرآن، کراچی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، طبع ثالث ۱۴۱۸ھ، ۵: ۱۲، ۱۳

۴۴۔ المجادلہ، ۵۸: ۲، ۳

۴۵۔ کاندھلوی، محمد ادریس، احکام القرآن، ۵: ۱۱، ۲۰

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد:۹، شمارہ:۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر زاہد منیر عامر
پروفیسر و صدر نشین مسند ظفر علی خان
ادارہ علوم ابلاغیات، جامعہ پنجاب، لاہور

Abstract:

William James Durant (November 5, 1885 - November 7, 1981) and his wife Ariel Durant are famous for their voluminous book The Story of Civilization. While revising ten volumes of this marvelous work, they penned down their observations about the human history in a short book captioned The Lessons of History. In this work, they made note of events and comments that might illuminate the present affairs, future possibilities, the nature of man and the conduct of states. This review article deals with this book and its two Urdu translations published from Pakistan. The author has critically appreciated the original work as well as its translations. The prejudices and shortcomings of the original work and both the translations have also been discussed at length.

نامور امریکی دانش ور ولیم جیمز ڈیورانٹ (۵ر نومبر ۱۸۸۵ء ..... ۷ر نومبر ۱۹۸۱ء) کا نام اُن کی معروف تصانیف Story of Civilization اور The Story of Philosophy کے حوالے سے دنیا بھر میں جانا جاتا ہے۔ ول

ڈیورانٹ کی کچھ تصانیف میں اُن کی شاگرد اور اہلیہ آریئل ڈیورانٹ (Ariel Durant ۱۰ر مئی ۱۸۹۸ء ..... ۲۵ر اکتوبر ۱۹۸۱ء) شریک مصنف کے طور پر شامل رہیں۔ خاص طور سے Story of Civilization (تاریخ تمدن) کی آخری پانچ جلدوں اور The Lessons of History کی تالیف میں۔[۲]

موخر الذکر کتاب دراصل مصنفین کے تاریخ تمدن کی دس جلدوں پر نظر ثانی کے دوران میں، تاریخ انسانی سے متعلق بصورت پذیر ہونے والے خیالات و افکار کا نتیجہ ہے جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے کہ تاریخ تمدن کی دس جلدوں کے: ''مطالعہ کے دوران ہم ان واقعات اور مشاہدات کو قلم بند کرتے رہے جن سے موجودہ دور کے حالات اور معاملات، نیز مستقبل کے امکانات کے علاوہ انسانی فطرت اور مملکتوں کے رویہ پر روشنی پڑ سکتی تھی''[۳]

ہمارے ہاں اس کتاب کے دو اردو تراجم اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ کراچی سے اس کتاب کا اردو ترجمہ تاریخ کے سبق کے نام سے شائع ہوا اور دوسرا ترجمہ لاہور سے تاریخ کیا سکھاتی ہے کے نام سے شائع ہوا۔ ہم اس تحریر میں پہلے اس کتاب کے مضامین سے متعلق چند گزارشات پیش کریں گے اور پھر اس کے اردو تراجم پر۔

کتاب کا بنیادی مضمون جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے تناظر میں مصنفین کے تاریخ کے بارے میں شکوک و شبہات، تاریخ اور کرۂ ارض، تاریخ اور حیاتیات، تاریخ اور نسل، تاریخ اور کردار، تاریخ اور اخلاقیات، تاریخ اور مذہب، تاریخ اور معاشیات، تاریخ اور سوشل ازم، تاریخ اور حکومت، تاریخ اور جنگ، وغیرہ موضوعات پر کلام کیا ہے۔

موجودہ دور کے تشتت، افتراق اور بے چینی کے پس منظر میں اکثر باشعور ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان نے تاریخ کے اس طویل سفر کے بعد واقعی ترقی کی منازل طے کی ہیں یا وہ معکوس سمت میں محو سفر رہا ہے؟ مصنفین نے خاص طور سے اس موضوع پر تین ابواب میں زور قلم صرف کیا ہے: پہلا باب جس کا عنوان Hesitations رکھا گیا ہے، بارھواں باب Growth and Decay اور تیرھواں باب Is Progress Real ? اس بحث میں مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخ سے متعلق انسانوں کا علم ناقص، ادھورا اور قیاسات پر مبنی ہے[۴] اور یہ کہ تاریخ کو کلی تناظر میں دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک فریب سے زیادہ نہیں ہے۔ انھیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ صدیوں کی تاریخ کو چند سو صفحات میں بیان نہیں کیا جا سکتا[۵] لیکن اس سب کچھ کے باوجود تاریخ جیسی کچھ بھی لکھی جا سکتی ہے اور جیسی بھی لکھی جاتی ہے، خواہ جزوی طور سے ہی سہی عبرت و موعظت کے اعتبار سے اس کی بہر حال اہمیت ہے اور ہر دور کی تاریخ کا لکھا جانا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انسانوں کی ترقی سے متعلق سوال دراصل انسانی تمدن کی کہانی پر غور کرنے سے جنم لیتا ہے۔ مصنفین کے خیال میں آرٹ اور تمدن کی اصل روح بے نظمی کو نظم میں ڈھالنا ہے[۶] اس اعتبار سے تاریخ انسانی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں جا بجا نوع انسان کی ناکامیوں کے مزار دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ مصنفین نے بارھویں باب میں اسی سوال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث نیکی میں کسی قدر بدی سرایت کر گئی ہے، نیز ہمیں زندگی کی جو سہولتیں اور آسائشیں میسر ہیں، ان کی وجہ سے ہماری جسمانی قوت برداشت اور اخلاقی بنیادیں کمزور سی ہو گئی ہیں۔ ہم نے اپنی نقل پذیری کے وسائل کو ترقی تو دی ہے، لیکن ہم میں بعض لوگ انھیں جرائم کا ارتکاب کرنے یا اپنے ساتھ والوں کو یا خود ہمیں قتل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں" ۸

تاہم اس کے باوجود یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ انسان نے تمدن کی صورت پذیری کی ہے۔ مصنفین اگرچہ تاریخ کو تمدن کا کھنڈر ۹ قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تمدن مرتا نہیں ہے ۱۰ یہاں ہمیں ان کے اسی زاویہ نظر میں تضاد کا گمان ہوتا ہے۔ تاہم یہ تضاد اس وقت توازن آشنا ہوتا دکھائی دینے لگتا ہے جب وہ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ تمدن پر زوال آتا ہے ۱۱ اور یہ کہ تمدن پوری طرح تو نہیں مرتا البتہ اس پر دھیرے دھیرے زوال آتا ہے ۱۲

مصنفین کا کہنا ہے کہ "نسل سے تمدن نہیں بنتا بلکہ تمدن سے قوم بنتی ہے" اپنی اس بات کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ "تمدن کی تعمیر میں ایک انگریز کا اتنا حصہ نہیں جتنا خود اس کو بنانے میں تمدن کا حصہ ہے" ۱۳ یہاں گویا وہ تمدن کو موروثی صفات کی سی ایک صفت قرار دے رہے ہیں لیکن ایک اور مقام پر تعلیم وتہذیب کے بحث میں انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ "تمدن ورثہ میں نہیں ملتا" ۱۴

تمدن سے قوم بننے کی بات بجا لیکن مصنفین غالباً یہ بات فراموش کر گئے ہیں کہ انقلابات کی طرح تمدن کے پس پردہ بھی اول اول ایک فرد ہی ہوتا ہے، اس لیے ہم شاید یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہ کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ ہوتا ہے بلکہ تمدن کی بقا بھی افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

یہ تمدن ہی ہے جو تعلیم، سائنس، عدل اور توازن کی راہیں دکھاتا ہے اور یہی راہیں ہیں جنھیں دیکھ کر مصنفین اس مایوسی سے باہر نکلتے ہیں جو انسان کی ترقی کے حقیقی ہونے کے سوال سے پیدا ہوتی ہے۔ والٹیر Voltaire نے تاریخ کو "انسانوں کے جرائم، لغزشوں اور بدنصیبیوں کا مجموعہ" قرار دیا تھا ۱۵ اس کے مقابلے میں مصنفین کا یہ کہنا بہت خیال انگیز ہے:

(1) "Behind the red facade of war and politics, misfortune and poverty, adultery and divorce, murder and suicide, were millions of orderly homes, devoted marriages, men and women kindly and affectionate, troubled and happy with children."(16)

اس لیے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ تاریخ ہی حضرت انسان کی سرگزشت نہیں ہے، اس داستان گفتہ کے مقابلے میں داستان ہائے ناگفتہ بھی انسان کی رودادیں تھیں اور ان کا گراف اس داستان گفتہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہوگا۔

اس لیے مصنفین کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ لغزشوں بدنصیبیوں اور جرائم کے مقابلے میں انسانوں کی نیک طینتی کی تاریخ

لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

"Who will dare to write a history of human goodness." (17)

جس طرح تاریخ سے سیکھے جانے والے سبق کے حوالے سے مصنفین کے ہاں ایک متوازن زاویہ نظر کا سراغ ملتا ہے اسی طرح بعض دیگر مباحث میں بھی متوازن زاویہ نظر کی مثالیں دکھائی دیتی ہیں مثلاً انسانی زندگی میں انھوں نے جہاں بغاوت کی اہمیت اجاگر کی ہے وہاں روایت اور قدامت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اسی طرح مشرق اور مغرب کے معاشی نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ نہ تو مکمل سرمایہ دارانہ نظام ہی انسانوں کے لیے پیام مسرت لاتا ہے اور نہ سوشلزم ہی ان کے لیے کلید کامیابی ہے، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام خواہ ایک دوسرے کے خوف سے ہی سہی بالآخر ایک معتدل نظام کی طرف بڑھیں گے۔

(2) "The fear of capitalism has compelled socialism to widen freedom, and the fear of socialism has compelled capitalism to increase equality. East is West and West is East, and soon the twain will meet." (18)

اسی انداز نظر کے ساتھ بعض مقامات پر مصنفین کے دوہرے معیاروں نے دلچسپ صورت حال پیدا کر دی ہے، مثلاً رابرٹ مالتھس (Thomas Robert Malthus 1766-1834) نے اٹھارویں صدی کے آخر میں دنیا کو آبادی کے "خطرے" سے ڈرایا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر آبادی پر بندشیں عاید نہ کی گئیں تو وہ دن دور نہیں جب شرح اموات کے مقابلے میں شرح پیدائش میں اتنا زبردست اضافہ ہو جائے گا کہ کھانے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مقابلے میں غذا کی پیداوار میں اضافے کی شرح صفر کے برابر رہ جائے گی۔ ۱۹

مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ انیسویں صدی ہی میں حقائق و واقعات نے مالتھس کے تصور کی نفی کر دی اور اس دور میں "انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں غذا کی رسد شرح پیدائش سے ہم آہنگ رہی۔"

"the food supply kept pace with birth." (20)

صرف یہی نہیں مصنفین اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کرتے ہیں کہ شرح پیدائش بھی جنگ کی طرح ادیان و مذاہب کی قسمتوں کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے۔

So the birth rate, like war, may determine the fate of theologios. (21)

اور انھیں مسئلے کے حقیقی حل کا بھی اندازہ ہے جس کی طرف انھوں نے یوں اشارہ کیا ہے کہ اگر زراعت سے متعلق معلومات عام کر دی جائیں تو ہمارا یہ کرۂ ارض اپنی موجودہ آبادی سے دو چند باشندوں کو کھلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

If existing agricultural knowledge were everywhere applied,

the planet could feed twice its present population. (22)

لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ انسان دوستی کے نام پر یہ کہتے ہیں کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلق معلومات کو نشر و اشاعت کے ذریعہ جگہ جگہ پہنچایا جائے۔

(3) It will be a counsel of humanity to disseminate the knowledge and means of contraception. (23)

مسئلے کی سنگینی سے انکار ممکن نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں مسئلے کا جو حل سامنے آچکا ہے۔ دوسرے ممالک کے لیے بھی اسی راہ کو اختیار کرنے اور اسی سمت میں آگے بڑھنے کی تلقین کیوں نہیں؟ خواہ ایسا کسی ''اگر'' (If) سے وابستہ کر کے کہا جائے یا کسی "Until" سے، اس پر اہل یورپ و امریکا کے دوسری دنیا کے لیے دوہرے معیاروں کا گمان کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اپنے بہت سے ہم وطنوں کی طرح تاریخ کو ایک بڑے تناظر میں دیکھنے کے باوجود مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں مصنفین کے تحفظات، ان کے تعصبات بن کر ابھرے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، ان کے خیال میں یورپ و یونان ہی کی تاریخ، تاریخ عالم ہے۔ مسلمانوں کی روشن اور طویل تاریخ ان کے اس منظر نامے میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اسلام اور مسلمانوں کا کہیں تذکرہ ہے بھی تو ایک سابق یا موجود خطرے کی حیثیت سے:

'سابق' کے لیے تو کتاب کے وہ مقامات ملاحظہ فرمائے جائیں جہاں ۷۳۲ء کی جنگ طورس (Tours.) کا تذکرہ ہے (تیسرا اور گیارھواں باب) فتح اندلس کے بعد پیش قدمی کرتے کرتے عرب، مغربی فرانس کے اس شہر تک پہنچ گئے تھے جہاں امیر اندلس السمح اور شاہ فرانس چارلس مارٹیل (Charles Martel) میں مقابلہ ہوا لیکن مسلمان کامیاب نہ ہو سکے۔ مصنفین، مسلمانوں کی اس شکست پر اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"... Kept France and Spain from replacing the Bible with the Koran." (24)

مستقبل کے حوالے سے ابھرتے ہوئے مشرق کا تذکرہ مغرب کے لیے ایک خطرے کی سی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

(4) "Menwhile the effort to meet the challenge of the rising East may reinvigorate the West. (25)

اسلام سے متعلق مصنفین کی لاعلمی یا تعصب کا بدترین مظہر وہ جملہ ہے جس میں انھوں نے قرآن کریم کے بیشتر حصے کو یہودیت سے ماخوذ قرار دے ڈالا ہے۔ ۲۶

یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر مصنفین کی ساری غیر جانبداری، توازن اور دنیا کو معروضی زاویہ نظر سے دیکھنے کی مساعی ناکام ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم پر یہ اعتراض نیا نہیں اس کا آغاز ان جہلائے عرب سے ہوتا ہے جنھوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شام کے تجارتی سفر میں راہب بحیرا سے ملاقات میں یہودی علوم سیکھ لیے تھے جنھیں وہ اب وحی و الہام کہہ کر بیان کرتے ہیں اس پر مستزاد بعض آزاد شدہ غلاموں کے نام بھی لیے جاتے تھے جو اہل کتاب اور پڑھے لکھے تھے (مثلاً عداس یسار، جبر وغیرہ) کہ رسول اللہ ان سے یہودی علوم سیکھتے ہیں۔ دراں حالیکہ سفر شام کے وقت آپ کی عمر بارہ تیرہ برس تھی اور آزاد کردہ غلاموں سے کچھ سیکھ کر آگے بیان کر دینے کی بات محض ایک بچگانہ الزام ہے جس کی حقیقت پر مفسرین نے تفسیروں میں تفصیل سے کلام کیا ہے، فاضل مترجم نے بھی اس کتاب کے ضمیمے میں بہت سلیقے سے ان الزامات کی قلعی کھولی ہے۔ ہم اس جاہلانہ اور متعصبانہ رائے پر خود قرآن کریم کا جواب پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حق بین نگاہوں کے لیے وہی کافی و وافی و شافی ہے۔

۱۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ○ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ○ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ○

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، کہہ دو کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' ۲۷

۲۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ○

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔'' ۲۸

اب ہم اس کتاب کے، یاور وہاب صاحب کے کیے ہوئے ترجمے موسومہ تاریخ کا سبق سے متعلق اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں:

کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب انگریزی سے اردو ترجمے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور وہ اس کتاب سے پہلے انسان، اسلام اور مغربی مکاتب فکر (ڈاکٹر علی شریعتی) انتظام کاری کے اصول و مبادی (جنرل فیول) اسلامی عمرانیات۔ ایک تعارف (الیاس بابونس) وغیرہ اردو تراجم، اردو دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں چنانچہ ان کے کیے ہوئے اس ترجمے کی زبان رواں اور مضمون پر گرفت مضبوط ہے۔ بعض مقامات پر عمدہ اور فنی اعتبار سے مکمل متبادلات ترجمے کے اعتبار میں اضافہ کر رہے ہیں مثلاً رافت و رحمت ۲۹ ذریات ۳۰ باقی ۳۱ اختبارات ۳۲ اللب ۳۳ آذوقہ ۳۴ وغیرہ فاضل

مترجم نے Routene کا ترجمہ ''معمولاً'' کیا ہے [۳۵] وغیرہ یہ ایرانی فارسی کا لفظ ہے اردو میں ابھی یہ لفظ نامانوس ہے۔ اردو میں اس اظہار کے لیے ''عام طور سے'' کے الفاظ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے اس ترجمے کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''باوہاب صاحب نے انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے...... میں نے انگریزی متن کے کئی صفحات کا اردو ترجمے سے مقابلہ کیا تو یہ بات واضح ہوئی کہ کتاب کی روح اردو ترجمے میں اچھی طرح درآئی ہے۔'' [۳۶]

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی دوسری بات کا تعلق ہے تو اس میں کلام نہیں کہ کتاب کی اصل روح مترجم کی گرفت میں رہی ہے اور انھوں نے مصنفین کے مدعا کو عمدگی کے ساتھ اردو کے قارئین تک پہنچایا ہے۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مترجم نے ''انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے'' ہمیں اس سے اتفاق نہیں، ہمارا اختلاف اس وجہ سے نہیں کہ محض لفظی ترجمہ بعض صورتوں میں بقول علامہ اقبال:

''ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ مضر'' ہوتا ہے [۳۷] بلکہ جہاں تک ہم نے اس ترجمے کا ول ڈیورانٹ و ایریل ڈیورانٹ کی اصل کتاب The Lessons of History سے موازنہ کیا تو ہمیں نہ صرف یہ کہ یہ ترجمہ لفظی نہیں معلوم ہوا بلکہ بہت حد تک تشریحی اور توضیحی ترجمہ معلوم ہوا ہے اس حد تک، جہاں پہنچ کر ترجمے کی حدود ختم اور شرح و تفسیر کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ چند مثالیں اس بات کو زیادہ بہتر طور سے واضح کر سکتی ہیں۔

ہم نے اپنی اس تحریر میں، کچھ پہلے تمدن کی بحث میں انگریزی متن کے صفحہ ۴۱ کا جو اقتباس پیش کیا ہے (انگریزی اقتباس نمبر ایک) قارئین کرام اس اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں، اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں۔ لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزار دی ہو۔ [۳۸]

اس اقتباس میں ''رنگ آمیزیوں کے پیچھے'' کی بجائے ''رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے'' ''لاکھوں منظم یا پر امن خاندان'' کی بجائے ''لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں'' ''کامیاب شادیوں اور وفا آشنا زن و شوہر کی بجائے'' ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں''

وغیرہ کو کیا لفظی ترجمہ کہا جا سکتا ہے؟

انگریزی متن میں پانچویں باب کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے:

(5) Society is founded not on the ideals but on the nature of man, and the constitution of man rewrites the constitutions of states. (39)

اردو ترجمہ:

کوئی بھی معاشرہ تصورات کی بنیاد پر نہیں بلکہ فطرت انسانی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور انسان کی فطرت جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی مملکتوں کے آئین و دساتیر کی تشکیل کرتی ہے۔'' [۴۰]

اس اقتباس میں ''کوئی بھی'' اور ''جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی'' کے ٹکڑے واضح طور پر ترجمے کے لفظی ترجمہ ہونے کے خیال کی تردید کر رہے ہیں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر انگریزی متن میں ''بہت سوں کو'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس جملے:

(6) But how far has human nature changed in the course of history." (41)

کا ترجمہ: ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں انسان کی فطرت کتنی مرتبہ بدلتی رہی ہے'' [۴۲]

اب اس ترجمے میں ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ'' ''کتنی مرتبہ'' اور ''رہی'' اسی طرح بعض مقامات پر ''کہنے کا مطلب یہ ہے کہ [۴۳] قسم کے ٹکڑے متن پر ایزاد کیے گئے دکھائی دیتے ہیں، یہ تمام شواہد مترجم کی مہارت کے دلائل تو ہو سکتے ہیں لیکن ترجمے کے لفظی ہونے کے ہرگز نہیں۔

بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں شرح و توضیح کے اس عمومی رویے کے باوجود مصنفین کی بات واضح نہیں ہو سکی اور ترجمہ ابہام کا شکار ہو گیا ہے مثلاً:

(7) Would we rather have lived under the laws of the Athenian Republic or the Roman Empire than under Constitutions that give us habeas corpus, trial by jury, religious and intellectual freedom and the emanicipation of women? (44)

ترجمہ: ''کیا ہم یونان کی جمہوریتوں یا سلطنت روما کے قوانین کے تحت زندگی بسر کرنا پسند کریں گے بمقابلہ ان دساتیر و آئین کے جن کی بدولت ہمیں عدالت کا پروانہ یعنی ہے۔ بی آس کارپس جیوری کے تحت مقدمہ کی کارروائی، مذہبی اور ذہنی آزادی نیز خواتین کی آزادی جیسی نعمتیں میسر ہیں۔ [۴۵]

بعض مقامات پر ترجمہ گنجلک ہو گیا ہے مثلاً:

(8) But if undertakers are miserable progress is real.(46)

کا ترجمہ: لیکن اگر تجہیز و تکفین کے منتظمین پریشانی میں مبتلا ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ترقی حقیقی ہے۔[۴۷]

بعض مقامات پر غیر ضروری تکلف سے ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے مثلاً: مترجم صاحب نے Saint کے لیے "سنت اور پیر قسم کے لوگ"[۴۸] کے الفاظ استعمال کیے ہیں اول تو انگریزی کے ہی لفظ کو اردو میں نامکمل لکھا گیا اور اس پر "پیر قسم کے لوگ" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا گیا جب کہ اس کے لیے مذہبی لوگ یا مذہبی راہنما کی تراکیب بآسانی استعمال کی جا سکتی تھیں۔

بعض مقامات پر مترجم صاحب نے انگریزی اصطلاحات کے جو متبادل اختیار کیے ہیں ان کے لیے اپنے دلائل کی صراحت متن ہی میں زرا خفیف قلم سے، کر دی گئی ہے مثلاً انھوں نے[۴۹] Humanism کا ترجمہ انسیات کیا ہے اور جس مقام پر یہ ترجمہ آیا ہے (ص ۴۶) وہاں متن ہی میں، قوسین میں یہ عبارت بھی درج کر دی ہے (Humanism کا ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بھی انسیات ہی کیا ہے)[۵۰]

اس ضمن میں گزارش ہے کہ:

(i) کسی ماقبل مترجم کے ترجمہ کو سند بنانے کی بجائے مترجم صاحب کو اس لفظ کے انتخاب کے لیے اپنے دلائل دینے چاہئیں۔

(ii) اس نوعیت کی وضاحتیں حاشیے یا مقدمے یا ضمیمے میں ہونی چاہئیں متن اس کے لیے ہرگز موزوں نہیں۔

(iii) تاریخ فلسفہ حاضر ڈاکٹر ویبر کی کتاب کا نہیں، اس کے اردو ترجمے کا نام ہے۔ اصل کتاب کا نام History of Philosophy ہے جو ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی بعد ازاں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔[۵۱]

مترجم نے حرف آغاز میں ول ڈیورانٹ کی متعدد کتابوں کے اردو تراجم اور مترجمین بلکہ ناشرین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کے حرف آغاز سے اور ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے تعارف سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ *The Lessons of History* کا بھی پہلے کوئی اردو ترجمہ ہوا ہے یا نہیں...... (شاید وہ اس سے باخبر نہیں ہیں)

جب کہ باوہاب صاحب سے پہلے بھی یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے، یہ ترجمہ ظفر الحسن پیرزادہ صاحب نے تاریخ کیا سکھاتی ہے کے عنوان سے کیا تھا جو باوہاب صاحب کے ترجمے سے چھ برس پہلے شائع ہو چکا تھا۔[۵۲]

یہ بھی اپنے انداز کا ایک اچھا ترجمہ ہے، ہم نے جہاں تک اصل متن اور باوہاب صاحب کے ترجمے سے پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے اس ترجمے کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ باوہاب صاحب کے ترجمے کے عین برعکس یہ ترجمہ ہر ہر ورق پر ایجاز و اختصار کی خوبی لیے ہوئے ہے۔ وہی خوبی جو خود ول ڈیورانٹ کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ مثالوں کے لیے نئے اقتباسات کا ڈھیر لگانے کی بجائے ہم خواندگان کرام کی خدمت میں، ظفر الحسن پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے، انھی اقتباسات کے تراجم پیش کرتے ہیں جو وہ قبل ازیں باوہاب صاحب کے ترجمے کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جن انگریزی اقتباسات کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ پہلے درج نہیں کیا گیا ان کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ بھی درج کیا جا رہا ہے تاکہ دونوں تراجم کے موازنے میں آسانی ہو سکے۔ یہاں انگریزی متن کے جن اقتباسات کے

ابتدائی الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ اقتباسات ہماری اسی تحریر میں پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان کے ابتدائی الفاظ درج کیے جا رہے ہیں۔ سلسلہ نمبر وہی ہے جو پہلے منقول اقتباسات کے ساتھ درج ہے۔

(1) Behind the red facade. (53)

باوہاب:

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں، لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزار دی ہو۔[۵۴]

پیرزادہ:

"جنگ اور سیاست، بدنصیبی و غربت، بدکاری اور طلاق، قتل اور خودکشی کے، تاریخ میں پیش کردہ، ہولناک مناظر کے پیچھے لاکھوں پرامن خاندان، وفا شعار زن و شوہر، مہربان و شفیق والدین اپنے بچوں کے دکھ سکھ سمیت موجود رہے تھے۔[۵۵]

(2) The fear of capitalism........ (56)

باوہاب:

"اشتراکیت چونکہ سرمایہ داری سے خوف زدہ ہے لہٰذا وہ مجبور ہے کہ انفرادی آزادی کا دائرہ وسیع تر کردے اور سرمایہ داری کو اشتراکیت کا خوف دامن گیر ہے لہٰذا وہ بھی مجبور ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ عدل و مساوات کو رواج دے۔ سچ تو یہ ہے کہ مشرق مغرب بھی ہے اور مغرب مشرق بھی ہے۔ پس اس کا امکان ہے کہ دونوں بہت جلد باہمی اتحاد کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں"[۵۷]

پیرزادہ:

"نظام سرمایہ داری کے خوف سے سوشل ازم لوگوں کو زیادہ آزادی دینے پر مجبور ہو گیا ہے جب کہ سوشل ازم کے ڈر سے سرمایہ داری نظام مساوات بڑھانے پر مجبور ہے۔ اب مشرق، مغرب بن گیا ہے اور مغرب مشرق میں بدل گیا ہے جلد ہی دونوں ایک ہو جائیں گے"[۵۸]

(3) It will be a counsel............(59)

باوہاب:

"انسان دوستی کا تقاضا یہی ہے کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلقہ معلومات

کو نشر و اشاعت کے ذریعے جگہ جگہ پہنچا دیا جائے''۔۶۰

پیرزادہ:

''آبادی میں اضافہ روکنے کے لیے ضبط تولید کی تعلیم اور اس کے ذرائع کی اشاعت انتہائی ضروری اور احسن کام ہے''۔۶۱ (یہاں متن کی رُو سے انتہائی ضروری اور احسن کام'' کی بجائے ''انسان دوستی کا تقاضا'' زیادہ بہتر تھا)

(4) Menwhile the effort .... (62)

باوہاب:

''اس اثنا میں مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج کے مقابلہ کی کوششیں مغرب میں نئی روح پھونک دیں''۔۶۳

پیرزادہ:

''اسی دوران ممکن ہے کہ ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں مغرب ایک بار پھر توانائی حاصل کرے''۔۶۴

Challenge of the rising East. کا ترجمہ ''مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج'' کی بجائے ، ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج ہی ہونا چاہیے تھا۔

(5) Society is founded not on the ......(65)

پیرزادہ:

''معاشرہ تخیلات کی بجائے انسانی فطرت کے مطابق استوار ہوتا ہے اور قومیں بھی انسانی فطرت و ساخت کے مطابق ہی تشکیل پاتی ہیں''۔۶۶

(6) But how far has .... (67)

پیرزادہ:

''کیا تاریخ کے دھارے کے ساتھ انسانی فطرت میں کس حد تک تبدیلی آتی ہے''۔۶۸

(7) Would we rather have ...... (69)

پیرزادہ:

''کیا ہم ان دساتیر کے تحت رہنے کی بجائے جو ہمیں جس بے جا کے خلاف قانونی کارروائی ، جیوری کے ذریعے مقدمہ کی سماعت ، مذہبی اور ذہنی آزادی اور خواتین کی آزادی جیسے حقوق عطا کرتے ہیں ، یونانی جمہوریہ یا رومی سلطنت کے قوانین کے تحت رہنا پسند کریں گے''۔۷۰

(8) But if undertakers are ....(71)

پیرزادہ:

''لیکن اگر گورکن بدحال ہوں تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ حقیقتاً ترقی ہو رہی ہے''۔۷۲

مندرجہ بالا اقتباسات کے باہم موازنے سے دونوں مترجمین کے انداز و اسلوب کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اس موازنے سے نہ صرف ہمارے اس تجزیے کی تائید ہوتی ہے کہ پیرزادہ کا ترجمہ ایجاز و اختصار اور باوہاب کا ترجمہ اطناب و تفصیل کا نمونہ ہے وہاں باوہاب صاحب کے ترجمے کے دیگر محاسن و معائب بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

انداز و اسلوب اور اختصار و تفصیل کے اس اختلاف سے قطع نظر ایک اور اہم بات دونوں مترجمین کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہے: وہ یہ کہ پیرزادہ صاحب مصنفین سے اس قدر متاثر ہیں کہ ان کے خیال میں مصنفین کی ''علمیت ، بالغ نظری اور تحقیقی رویے سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں'' ہے۷۳ جب کہ باوہاب صاحب نے زیر ترجمہ کتاب اور اس کے مصنفین کے رویوں کو تنقیدی نظر سے بھی دیکھا ہے۔ مصنفین نے اپنے دیباچے میں اس کتاب کو انسانی علم اور تجربے کا ایک جائزہ قرار دیا ہے۷۴ جب کہ درحقیقت یہ صرف یورپ اور یونان کے علوم و تجربات کا جائزہ ہے جس میں اسلام ، تاریخ اسلام اور مسلم مفکرین اور دنیا کے دیگر خطوں ، مذہبوں اور مفکرین اور ان سب کی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے چنانچہ باوہاب صاحب نے بجا طور سے اس دعوے پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں:

''انسانی تجربات کے بیشتر حصہ کی حد تک زمانی اور مکانی اعتبار سے بھی شاید دانستہ اغماض برتا گیا ہے۔''

مزید یہ کہ:

''تنوع کے اعتبار سے بھی یہ جائزہ ادھورا نامکمل غیر تشفی بخش نہیں بلکہ ناقص بھی ہے''۔۷۵

صرف یہی نہیں باوہاب صاحب نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس میں مصنفین کے قابل گرفت خیالات پر بہت عمدگی سے گرفت کی گئی ہے خاص طور سے نزول قرآن کے حوالے سے مصنفین کی ہرزہ سرائی کا بہت عمدہ اور مفصل جواب فراہم کیا گیا ہے۔ جو قارئین اس کتاب کا مطالعہ کریں انھیں چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ باوہاب صاحب کے اس ضمیمے کو بھی ضرور نظر میں رکھیں ضمیمے کے علاوہ اس ترجمے کی ایک خصوصیت ''تشریحات و شخصیات'' کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ ہے جس میں ، متن میں مذکور تلمیحات ، اشارات اور شخصیات سے متعلق ، ابواب کی ترتیب سے ، تفصیلات فراہم کر دی گئی ہیں ، آخر میں انگریزی متن کی طرح اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اصل متن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنفین نے جابجا استنادی حواشی کا اہتمام بھی کیا ہے ، اگرچہ ان میں سے بیشتر حوالے خود History of Civilization کی مختلف جلدوں سے ماخوذ ہیں تاہم یہ حوالے ایسے نہیں ہیں جنھیں نظر انداز کر دیا جائے لیکن تعجب ہے کہ دونوں مترجمین نے ان استنادی حواشی کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے ، ان حواشی کو ترجمے میں درج نہ کرنے سے بہت سے اقتباسات اور منقول اقوال مجہول ہو کر رہ گئے ہیں۔ پیرزادہ صاحب کے ترجمے میں متن کے آخر میں ستائیس (۲۷)

حوالے دیے گئے ہیں جب کہ اصل متن میں تیرہ ابواب کے ۹۷ حوالے دیے گئے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ باوہاب صاحب نے مصنفین کی دی ہوئی وہ فہرست کتب (Guide to Books) تو اپنے ترجمے کے آخر میں شامل کی ہے جس میں حواشی میں استعمال ہونے والی کتابوں سے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں جب کہ حواشی حذف کر دیے ہیں پیرزادہ صاحب نے کتابوں کی یہ فہرست بھی ترجمہ میں شامل نہیں کی۔

باوہاب صاحب کے ترجمے کی پروف خوانی بظاہر اہتمام سے کی گئی ہے، آخر میں، رہ جانے والی اغلاط کی تصحیح کے لیے ایک اغلاط نامہ بھی لگایا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باوجود کوشش کے پھر بھی پروف کی اغلاط رہ جاتی ہیں، یہ اشاعت بھی اردو کتابوں کے اس معمولی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس میں Ariel کا نام ہر جگہ Aricl کامیابیوں، کامیابیوں ۹ ہے آذوق، آزوق ۷۷ حال، حال حال ۸ ہے اخوار، خوار ۹ ہے انکار، انکار ۸۰ مجامعت، مجامت ۸۱ بے زاری، بے زارگی ۸۲ انکسار، انکساری ۸۲ روزمرہ، روز مردہ ۸۳ اطالیہ، اطالیہ ۸۳ ق م۔ ق۔ق ۸۵ المطلب، علی الطلب ۸۶ مناقشات، مناقشات ۸۷ قلبرٹ، قبلرٹ ۸۸ دلدادہ، دالدادہ ۸۹ ماتحتی، ماتحتی ۹۰ سنہ، سن ۹۱ ترقی، ترتی ۹۲ برقرار، براقرار ۹۳ Thirty ۹۳، Thiry بن گئے ہیں جیمز واٹ کے سنین ولادت و وفات بالترتیب ۱۷۳۶ء......۱۹ا۷ا۱ء ۹۵ لکھے گئے ہیں جن میں یقیناً کچھ تسامح ہوا ہے۔

آخر میں دو فنی گزارشات اور پھر خواندگان کرام سے رخصت:

اول: کتاب تاریخ کا سبق میں ابواب کے اختتام پر جہاں جہاں کچھ جگہ بچ رہی تھی وہاں مترجم کی بعض دوسری کتابوں کے اشتہار شائع کر دیے گئے ہیں۔ یہ رسالوں کا طریق کار ہے کتابوں میں ایسا کرنے سے، کتاب کی زیبائی متاثر ہوتی ہے۔ دوم: کتاب کی جلد بندی کے لیے سلائی کی بجائے، کتاب کے اجزا کو پشت سے کاٹ کر گوند (Gum) سے جوڑا گیا ہے۔ ہماری جملہ ناشرین سے درخواست ہے کہ براہ کرم اس طریق تجلید کو اختیار نہ کیا جائے، اس سے کتاب، پہلے مطالعے کے دوران ہی ورق ورق ہو کر بکھر جاتی ہے۔

اس طویل گفتگو کے آخر میں اگرچہ ''بحرفی می توان گفتن تمنای جہانی را'' کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے لیکن جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بنیاد ذوق حضوری پر نہیں اظہار ضروری پر تھی۔

حوالے اور حواشی

۱۔ The Story of Civilization, Will Durant, New York: Simon and Schuster, 1942

۲۔ The Lessons of History, Will and Ariel Durant, New York: Simon and Schuster, Reproduced by National Book Foundation Pakistan 1988, P-8

۳۔ Ibid P-7

۴۔ تاریخ کا سبق از ول ڈیورانٹ و ایریل ڈیورانٹ، مترجم محمد علی باوہاب، کراچی یونائیٹڈ بک کارپوریشن دسمبر ۱۹۹۶ء
تاریخ کیا سکھاتی ہے مترجم ظفر الحسن پیرزادہ، لاہور، روہتاس بکس احمد چیمبرز ۵ ٹمپل روڈ جنوری ۱۹۹۰ء

۵۔ To begin with, do we really know what the past was, what actually happened, or is history "a fable" not quite "agreed upon"? Our knowledge of any past event is always incomplete, probably inaccurate, beclouded by ambivalent evidence and biased historians, and perhaps distorted by our own patriotic or religious partisanship. The Lessons of History, P-11,12

۶۔ Ibid P-13

۷۔ تاریخ کا سبق ص ۱۳۲ ۸۔ ایضاً ص ۱۱۹ ۹۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۰۔ ایضاً ص ۱۱۷ ۱۱۔ ایضاً ص ۲۸ ۱۲۔ ایضاً ص ۳۶

۱۳۔ ایضاً ص ۳۴ ۱۴۔ ایضاً ص ۱۴۷

۱۵۔ "A collection of the crimes, follies and misfortunes." The Age of Voltaire P.64 cf The Lessons of History, P-40,41

۱۶۔ The Lessons of History, P-41

۱۷۔ Ibid P-41

۱۸۔ Ibid P-67

۱۹۔ دیکھیے پروفیسر ڈاکٹر چوہدری عبدالقادر کی کتاب رابرٹ مالتھس اور اس کی تعلیمات، لاہور، ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، جون ۱۹۸۳ء، باب دوم (آبادی کے انتاریا کا تجزیہ) اور باب دہم (خاتمہ اور جائزہ)

۲۰۔ The Lessons of History, P-22

۲۱۔ Ibid P-23,24 ۲۲۔ Ibid P-22

۲۳۔ The Lessons of History, P-22

۲۴۔ Ibid P-24 ۲۵۔ Ibid P-100

۲۶۔ تاریخ کا سبق ص ۲۹ ۲۷۔ الفرقان ۹۔۲۸

۲۸۔ النحل ۱۰۳ ۲۹۔ تاریخ کا سبق ص ۳۸

۳۰۔ ایضاً ص ۱۳۶ ۳۱۔ ایضاً ص ۱۰

۳۲۔ ایضاً ص ۴۰ ۳۳۔ ایضاً ص ۵۷

۳۴۔ ایضاً ص ۴۰ ۳۵۔ ایضاً ص ۳۶، ۳۹، ۴۳

۳۶۔ ایضاً ص ۳ ۳۷۔ خطبات سید سلیمان ندوی، لاہور، ستمبر ۱۹۲۸ء

۳۸۔ تاریخ کا سبق ص ۲۷، ۲۸ ۳۹۔ The Lessons of History, P-32

۴۰۔ تاریخ کا سبق ص ۳۶ ۴۱۔ The Lessons of History, P-32

۴۲۔ تاریخ کا سبق ص ۳۶ ۴۳۔ ایضاً ص ۳۷

۴۴۔ P-99The Lessons of History

۴۵۔ تاریخ کا سبق ص ۱۲۵ ۴۶۔ The Lessons of History, P-99